التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۵، مسلسل شمارہ ۱۹، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۱ء، ص ۱۴۔۴۱

مقامِ عبدیت کے تقاضے اور سرفرازیاں
(قرآن وحدیث کی روشنی میں) ایک تجزیہ

ڈاکٹر رابعہ شیخ

Who am I? From where have I come? Where I have to go after death? What is the purpose of my creation? What is my relationship to this universe? What is my status in this entire universe? Then what are the demands imposed upon me by this status? What are the multiple stages of this enlightenment? What is the Zenith of the submission to God (Allah)?

My research is based on these above mentioned questions therefore I have made Holy Quran and Sunnah as the criterion or standard in order to answer the above questions so that absolute truth could be found out. I hope you would understand the point as it is said:

"Shayad ke tery Dil mein Uter jaey meri Baat"

Status of worship is a journey - these evolutionary and enlightening phases(stages) which are mentioned in my research paper are a part of Absolute Truth if any mistake is found out regarding this truth then forgiveness is asked.

Nevertheless, May Allah accepts this literary effort of mine and blesses me with the Power of Truth and enlightenment.

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۝ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝ (سورۃ مریم، آیت: ۹۳ تا ۹۶)

ترجمہ: آسمان وزمین میں جو بھی ہیں سب کے سب اللہ کے غلام بن کر ہی آنے والے ہیں۔ ان سب کو اس نے گھیر رکھا ہے اور سب کو پوری طرح گن بھی رکھا ہے۔ یہ سارے کے سارے قیامت کے دن اکیلے اس کے پاس حاضر ہونے والے ہیں۔ بے شک جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے شائستہ اعمال کیے ہیں ان کے لیے رحمٰن محبت پیدا کردے گا۔

بقول علامہ اقبالؒ:

میں کہاں ہوں تو کہاں ہے، یہ مکاں کہ لا مکاں ہے
یہ جہاں مرا جہاں ہے کہ تری کرشمہ سازی
(بالِ جبریل)

عبد کا مفہوم

العبودية اظهار التذلل والعبادة ابلغ منها لانها غاية التذلل والعبد، بعير معبد مذلل بالقطران (۱)

اُردو ترجمہ: عبد، العبودیۃ کے معنی کسی کے سامنے ذلت اور انکساری ظاہر کرنا ہے۔

مگر العبادۃ کا لفظ انتہائی درجہ کی ذلت اور انکساری ظاہر کرنے پر بولا جاتا ہے۔ العبد، بندہ۔ "بعیرٌ معبّدٌ" جس پر تارکول مل کر اسے خوب بدصورت کر دیا گیا ہو۔

عبد کے مندرجہ بالا معنی سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اس میں ابتداً زمی و ذلت کا پہلو نکلتا ہے اور پھر سختی وغلاظت کا بدستور آنا ثابت ہے اور دوسرے یہ کہ ابتداً تکلیف کا باعث، مگر نتائج کے اعتبار سے آخر الامر اس کا نفع بخش ثابت ہونا کے ہیں۔ جیسا کہ اہل عرب کرتے تھے پہلے نئی چیز کو بدصورت بنا دیا۔ لیکن آنے والے وقت نے ثابت کیا کہ کس طرح اس بدصورتی نے لکڑی کو پانی سے محفوظ کر کے پائیدار بنا دیا۔ یہی معنی اگر عبد کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے اختیار کیے جائیں تو اس سے حقیقت واضح ہوکر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ کہ جب انسان عبد جیسی حیثیت **Status** کو اختیار کرتا ہے یعنی کہ فطرتاً خود کو عبد کی صورت میں پاتا ہے تو خود کو محکوم تصور کرتا ہے اور اس حقیقت اصلی کا ادراک کر کے وہ جب اقرار کرتا ہے تو اس کا اقرار کرنا خود کو انتہائی درجہ کی ذلت اور انکساری اختیار کرنا ہوتا ہے یہ جذبۂ اطاعت و فرمانبرداری، محکومیت فطری ہے جو انسان کے لاشعور میں موجود ہے اس سے کسی انسان کو بھی انکار نہیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ○

(سورۃ الذاریات، آیت:۵۶)

ترجمہ:　اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو۔

مقام عبدیت کے بنیادی تقاضے

ہر مقام کے کچھ بنیادی تقاضے ہوتے ہیں، لہٰذا اس مقام عبدیت کے بھی کچھ تقاضے ہیں جو درج ذیل ہیں:

پہلا تقاضہ۔ مشقت

ذلت و انکساری ارادتاً اختیار کرنے سے اس میں شوق اور رغبت پیدا ہوجاتی ہے اس طرح وہ بآسانی "آسان سے مشکل یعنی **Easy to hard** کی جانب بڑھتا چلا جاتا ہے۔ کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ یہ تھوڑی سی مشقت اسے کس قدر نفع دلا سکتی ہے، اس طرح اس کی نظر فقط نفع کی جانب ہوتی ہے ہر انسان منفعت بخشی کا خواہاں ہے۔ اقرار کے اس تقاضے کو قرآن کریم میں بہت خوب صورتی سے بتایا گیا ہے:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا ط (سورۃ البقرۃ، آیت:۲۸۶)

ترجمہ:　اللہ نہیں دیتا کسی کو تکلیف، مگر جس قدر اس کی گنجائش ہے۔

اس طرح مشقت تقاضۂ بندگی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ:
اگر مشقت تقاضۂ بندگی قرار پاتی ہے تو منفعت اس کا لازمی نتیجہ ہے۔

دوسرا تقاضہ۔ نقطۂ وحدت عبودیت (محکومیت)

"فالعبد اذا وجمع العبد الذی ھو مسترق عبیدٌ وقیل عبدٌ" (۲)

اُردو مفہوم: اگر العبد بمعنی غلام استعمال ہو تو اس کی جمع عبید اور عبد آتی ہے۔

اس طرح انسان یا تو عبداللہ ہوگا یا پھر عبدالات چنانچہ اس طرح دوسرا تقاضہ وحدت عبدیت قرار پاتا ہے۔

نوعیت عبد (Nature of Abd)

جب ہم غلام لفظ کی نوعیت کا جائزہ لیتے ہیں۔ تو غلام کسی ایک فرد کا ہوتا ہے مشترک غلام نہیں ہوتا۔ یعنی ہر صورت ایک مالک اس پر حاوی ہوتا ہے جس کی عبادت وخدمت کرنا اس پر لازم ہے المفردات فی غریب القرآن میں ہے کہ:

"عبد بالعبادۃ والخدمۃ والناس فی ھذا ضربان عبداللّٰہ مخلصا

وھو المقصود بقولہ واذکر عبدنا ایوب، وعبدالدینار واعراضھا

وهو المعتكف علىٰ خدمتها ومراعاتها وإياه قصد النبي عليه السلام تعس عبد الدرهم تعس عبد الدينار" (۳)

اُردو مفہوم: عبد وہ ہے جو عبادت یا خدمت کی بدولت عبودیت کا درجہ حاصل کرلیتا ہے اس لحاظ سے جن پر عبد کا لفظ بولا گیا ہے وہ دو قسم پر ہیں ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے بن جاتے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا: "اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو۔" (سورۃ ص، آیت: ۴۱،۳۸) دوسرے وہ جو دنیا کی لالچ اور حرص کے غلام بن کر ہر وقت اس کی پرستش میں لگے رہتے ہیں۔ اور اس کی طرف مائل رہتے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے متعلق ہی آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "درہم و دینار کا بندہ ہلاک ہو۔"

اس تصریح سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان ایک وقت میں دو کی تابعداری نہیں کرسکتا۔ اس سلسلے میں وہ عاجز ہے۔

عبد کی صورتیں (Forms of Abd)

عبد اپنی نوعیت کے اعتبار سے اپنے اندر جو خلقی استعداد رکھتا ہے اسے وہ مثبت طور پر بھی استعمال کرسکتا ہے اور منفی طور پر بھی۔ اس کا ذکر قرآن کریم میں بہت خوب صورتی سے کیا گیا ہے تاکہ حقیقت واضح ہوجائے اور کوئی احتمال نہ رہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ج (سورۃ النحل، آیت: ۳۶)

ترجمہ: کہ بندگی کرو اللہ کی اور بچو بڑے سے۔

اس طرح عبد دو صورتوں میں ہمارے سامنے ہے۔

عبد کی اخلاقی صورتیں

مثبت صورت	منفی صورت
۱۔ عبداللہ	۱۔ عبدالطاغوت
۲۔ عبادنا المومنین	۲۔ عبد خنزیر
۳۔ عباد الرحمٰن	۳۔ القردۃ
۴۔ عباد اللہ المخلصین	۴۔ عبداللات
۵۔ عبداً شکوراً	۵۔ عبدالنفس
۶۔ اسریٰ بعبدہٖ (مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک)	۶۔ عبدالدرہم
۷۔ سورۃ الضحیٰ	۷۔ عبدالدینار وغیرہ۔

ويقال الطريق معبد، اى مذلل بالوطء (۴)

اُردو مفہوم: ہموار راستہ جس پر لوگ آسانی سے چل سکیں۔

جب سڑک کو کوٹ کر ہموار کردیا جاتا ہے تو لوگ اس پر آسانی سے چل سکتے ہیں۔ اسی طرح 'عبد' وہ حیثیت ہے کہ جب وہ مالک حقیقی کی مملوک ہونے کا اقرار کرتا ہے تو پھر اپنی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو اس کی منشاء کے مطابق صرف کرتا ہے۔

عبد کی اخلاقی صورتوں کی مدلل تفصیل

اب ہم عبد کی اخلاقی صورتوں کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لیں گے تاکہ حقیقتِ اصلی کا ادراک بآسانی کرسکیں۔ تاہم ان اخلاقی صورتوں کے اثرات و نتائج کو بھی اچھی طرح تفصیلاً بیان کیا جائے گا۔ تاکہ موعظت و عبرت حاصل ہوسکے۔ ظلمت و نور کا فرق سمجھ آئے نیز اجتہاد و جہاد بالنفس کی صلاحیت و قوت سے خود کو مالا مال کرسکیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ فلاح دارین حاصل کرسکیں۔

مسئلہ مذکورہ کو قرآن میں انتہائی مدلل اور تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جو کچھ اس طرح

ہے۔

قُلْ یٰعِبَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّکُمْ ط لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ ط وَ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ط اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ○ قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ○ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ○ قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ○ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهُ دِیْنِیْ ○ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ط قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ط اَلَا ذٰلِکَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ○ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ط ذٰلِکَ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ط یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ○ وَالَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ یَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَی اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰی ج فَبَشِّرْ عِبَادِ ○ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ط اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِکَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○ (سورۃ الزمر، آیت: ۱۰ تا ۱۸)

ترجمہ: کہہ دو اے میرے ایمان والے بندو! اپنے رب سے ڈرتے رہو جو اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لیے نیک بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی زمین بہت کشادہ ہے صبر کرنے والوں ہی کو ان کا پورا پورا بے شمار اجر دیا جاتا ہے۔ آپ کہہ دیجیے! کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کروں کہ اسی کے لیے عبادت کو خالص کرلوں۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا فرمانبردار بن جاؤں۔ کہہ دیجیے! کہ مجھے تو اپنے رب کی نافرمانی کرتے ہوئے بڑے دن کے عذاب کا خوف لگتا ہے۔ کہہ دیجیے! میں تو خالص کرکے صرف اپنے رب ہی کی عبادت کرتا

ہوں تم اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرتے رہو کہہ دیجیے! کہ حقیقی زیاں کار وہ ہیں جو اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو قیامت کے دن نقصان میں ڈال دیں گے، یاد رکھو کہ کھلم کھلا نقصان یہی ہے۔ انہیں نیچے اوپر سے آگ کے سائبان ڈھانک رہے ہوں گے یہی ہے جن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرا رہا ہے۔ اے میرے بندو! پس مجھ سے ڈرتے رہو۔ اور جن لوگوں نے طاغوت کی عبادت سے پرہیز کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے وہ خوشخبری کے مستحق ہیں۔ میرے بندوں کو خوشخبری سنا دیجیے۔ جو بات کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر جو بہترین بات ہے اس کی اتباع کرتے ہیں یہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور یہی عقلمند بھی ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے عبد کی محکومیت کے مثبت اور منفی پہلوؤں کو انتہائی خوب صورتی سے جامع طور پر بیان فرما کر نتائج حقیقی سے آگاہ فرما دیا۔ اب یہ انسان کی اپنی نفسی استعداد ہے کہ وہ کس صورت کو اپناتا ہے۔ اب ہم ان ہی صورتوں کو انتہائی متین ومفصل انداز سے قرآنی دلائل کی روشنی میں بیان کریں گے۔

اعبدوا اللہ کا مفہوم

قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِکَ بِهٖ ط اِلَیْهِ اَدْعُوْا وَاِلَیْهِ مَاٰبِ ○ وَکَذٰلِکَ اَنْزَلْنٰهُ حُکْمًا عَرَبِیًّا ط وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ لا مَا لَکَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا وَاقٍ ○

(سورۃ الرعد، آیت: ۳۶ تا ۳۷)

ترجمہ: "آپ اعلان کر دیجیے کہ مجھے تو صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ شریک نہ کروں، میں اسی کی طرف بلا

رہا ہوں اور اسی کی جانب میرا لوٹنا ہے۔ اسی طرح ہم نے اس قرآن کو عربی زبان کا فرمان اُتارا ہے اگر آپ نے ان کی خواہشوں کی پیروی کرلی اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے تو اللہ سے آپ کو کوئی حمایتی ملے گا اور نہ بچانے والا۔"

علم بنیاد بنتا ہے جہالت کے خاتمے کی اور یہی بنیاد بنتا ہے ترقی کی عمارت کی۔ اسی سے عروج کے زینے طے کیے جاتے ہیں لیکن جو لوگ ہوائے نفس کے بہکاوے میں آکر اللہ کی طرف سے نازل شدہ جو عربی زبان میں نازل کرکے اللہ نے اہلِ عرب اور تمام لوگوں پر اپنی حجت تمام کردی تھی قبولِ ہدایت کے لیے اس عذر کو بھی ختم کردیا گیا۔ مگر پھر بھی وہ اس علم پر عمل پیرا نہ ہوئے۔ بلکہ حقائق کو تسلیم نہیں کیا جاتا، صریح حکم سے سرتابی کی جاتی ہے۔ محض اپنی خواہش اور نفسی معتقدات کی خاطر اور دنیا کے عارضی مفادات کی خاطر قرآن و حدیث کے واضح احکام کو بھی بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ جب کہ اللہ مطلق علم **Absolute Knowledge** کو نازل فرما چکا ہے۔ لیکن ان کی آج تک یہ خواہش رہی ہے کہ ان کے نفسی معتقدات و مطالبے کو تسلیم کرکے عمل پیرا ہوا جائے۔ یہاں تک کہ یہ بات انہوں نے مطالبہ کی صورت میں رسول سے بھی فرمائی۔ جس کا برملا اظہار بزبانِ رسول کلامِ الٰہی میں ملتا ہے:

وَمَالِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ (سورۃ یٰسٓ، آیت: ۲۲)

ترجمہ: "اور مجھے کیا ہوگیا ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے نظر کیا اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔"

دراصل ذہنِ انسانی میں یہ سوال اُبھرتا ہے کہ "ہم اللہ ہی کے بندے کیوں ہیں؟" سوال کا اذہان میں اُبھرنا فطری بات ہے مگر یہ اس وقت زحمت بنتا ہے جب اس کے جواب کو تلاش نہ کیا جائے تاہم ضروری ہے کہ اس کو رحمت بنایا جائے غور و فکر کے ذریعے جواب کو تلاش کیا

جائے شاید اسی لیے اللہ فرماتا ہے کہ:

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ط اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ط (سورۃ فاطر، آیت:۲۸)

ترجمہ: اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی بعض ایسے ہیں کہ ان کی رنگتیں مختلف ہیں اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔

درحقیقت اللہ کی ان قدرتوں سے اور اس کے کمالِ صناعی کو وہی سمجھ سکتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں اس علم سے مراد کتاب و سنت اور اسرارِ الٰہیہ کا علم ہے، اور جتنی انہیں رب کی معرفت حاصل ہوتی ہے اتنا ہی وہ رب سے ڈرتے ہیں علاوہ ازیں نہیں۔

ہم عبد اللہ کیوں کہلائیں؟ وجہِ حکمت (انفس و آفاق میں)

اس سوال کے ادراک و تفہیم کے لیے ہمیں قرآن سے رجوع کرنا ہوگا قرآن میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ○ (سورۃ مریم، آیت: ۹۳)

ترجمہ: آسمان و زمین میں جو بھی ہیں سب کے سب اللہ کے غلام بن کر ہی آنے والے ہیں۔

اس کی تفسیر سید محمد احمد قادری صاحب نے کچھ اس طرح فرمائی ہے:

"الا اتی الرحمن عبداً ای الا وھو مملوک لہ تعالیٰ یادی الیہ عزوجل بالعبودیۃ و الانقیاد فقضالہ وقدرہ وسبحنہ وتعالیٰ

اُردو مفہوم: مگر آئے گا رحمٰن کے حضور بندہ ہوکر یعنی وہ مملوک ہوگا اور آئے گا اللہ

کے حضور عبودیت کے ساتھ اور تسلیم کرتا ہو اس کی قضاء وقدر کو۔'' (۵)

اس سے ثابت ہوا کہ ہر شے اللہ کی ملکیت ہونے کے سبب مملوک ہے اس لیے وہ اللہ کے حضور بندہ کی حیثیت سے آئے گا۔ اس کی وضاحت امام راغب نے کچھ اس طرح فرمائی:

و الناس کلھم عباد اللہ بل الاشیاء کلّھا کذلک لکن بعضھا بالتسخیر وبعضھا بالاختیار (۶)

اُردو ترجمہ: تمام لوگ اللہ کے ہیں یعنی اللہ ہی نے سب کو پیدا کیا ہے بلکہ تمام اشیا کو یہی حکم ہے بعض عبد بالتسخیر ہیں اور بعض عبد بالاختیار۔

اس طرح عبادت جب انسانوں کے حوالے سے ہوگی جنہیں ذوی العقول مخلوق کہتے ہیں تو پھر یہ بالاختیار کے ساتھ ہوگی۔ بالتسخیر نہیں ہوگی۔ تو ثابت ہوا کہ ارضی وسماوی کی تمام اشیا بالتسخیر عبد کی صورت میں آئیں گی لیکن سزا و جزا کی بات ہوگی تو پھر بالاختیار کی صورت میں فیصلہ ہوگا۔

تفسیر بیان للناس میں خواجہ احمد الدین نے اسی اہم نکتے کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ اسے 'ہمہ اوست' کے عقیدے سے ملا دیں آپ فرماتے ہیں:

''جو شخص آسمانوں اور زمین میں ہیں سب رحمان کے پاس بندے ہوکر آتے ہیں۔ ان کا سچا کمال وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۝ (سورۃ الذریت ، آیت:۵۶) انسان کا آخری کمال ٹھیک طرح پر عبد بننے میں ہی ہے جیسا کہ فرمایا فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ۝ (سورۃ الفجر ، آیت:۲۹)، ایسے ممکنات کو واحد کے ساتھ ایک صف میں لاکر ہمہ اوست کا عقیدہ سکھانا سراپا ظلم ہے۔'' (۷)

عبد کا فطری ہونا، عبد کا بالتسخیر ہونا، بالخصوص عبد کا بالاختیار ہونا اس بات کی غمازی کرتا

ہے کہ انسان اللہ کا مملوک ہے۔ اور یہ کہ اختیار کے ناجائز استعمال سے وہ خائن وناشکرا بن سکتا ہے۔ لہٰذا اسے یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اللہ جب چاہے اپنی عطا کردہ نعمتوں کو واپس لینے پر قدرت رکھتا ہے موت کی صورت میں بھی اور قیامت کی صورت میں بھی۔

عبد بالاختیار مگر فکر آخرت سے مشروط

عبد بالاختیار ضرور ہے مگر حقیقت حال جو مترشح ہو رہی ہے شب و روز وہ اس بات کی مصداق بنتی ہے کہ یہ اختیار فکر آخرت سے مشروط ہے اسی لیے رب تعالیٰ نے واضح طور پر فرما دیا کہ:

وَمَالِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْئًا وَّلَا یُنْقِذُوْنِ ۝ اِنِّیْٓ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ اِنِّیْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ۝ قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ط قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ ۝ بِمَا غَفَرَلِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُكْرَمِیْنَ ۝ (سورۃ یٰس، آیت: ۲۲ تا ۲۷)

ترجمہ: اور مجھے کیا ہوگیا ہے کہ میں اس کی بندگی نہ کروں، جس نے کہ مجھے پیدا کیا ہے اور جس کی طرف تم لوٹ کر جانے والے ہو۔ کیا میں اللہ کے علاوہ معبود اختیار کرلوں کہ اگر رحمٰن کی طرف سے مجھ پر کوئی تکلیف آئے تو ان کی سفارش میرے کسی کام نہ آسکے اور نہ ہی وہ مجھے اس سے نجات دلاسکیں۔ پھر تو میں واضح گمراہی میں پڑ جاؤں گا پس میری سنو کہ بے شک میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا ہوں اس سے کہا گیا کہ جنت میں داخل ہو جا اس نے کہا اے کاش میری قوم میں جان لیتی جس کے سبب مجھے میرے رب نے بخش دیا ہے اور مجھے عزت والوں میں سے بنا دیا ہے۔''

ہر شے اپنے منبع کی طرف پلٹتی ہے ہمیں بھی بحیثیت مخلوق کے اسی جانب پلٹنا ہے جہاں سے نقطۂ آغاز ہوا، حقیقت یہ ہے کہ آغاز ہمارے بس میں نہیں تھا مگر انتہا کو اپنے اختیار کی قید میں لایا جاسکتا ہے۔ نفس جیسے بے لگام گھوڑے کو شریعت کی لگام ڈال کر سدھایا جاسکتا ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عباد اللہ ہی عباد الرحمٰن کے درجے پر پہنچتے ہیں۔

عباد الرحمٰن اور مقام عبدیت الٰہی پر سرفرازی کے تقاضے

سورۃ الفرقان میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے عباد الرحمٰن کی خصوصیات کا ذکر فرمایا ہے جو دراصل مقام عبدیت پر سرفراز ہونے کے تقاضے ہیں۔ امام راغب نے اللہ کی صفت 'الرحمٰن' کا مفہوم یہ بتایا ہے:

> و لا یطلق الرحمن الا علیٰ اللّٰہ تعالیٰ من حیث ان معناہ لا یصح
> الا لہ اذھو الذی وسع کل شیء رحمۃ (۸)

اُردو مفہوم: "اور رحمٰن کا اطلاق اس ذات پر ہوتا ہے جس نے اپنی رحمت کی وسعت میں ہر چیز کو سمایا ہو اس لیے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی پر اس لفظ کا اطلاق جائز نہیں ہے۔"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ عباد نہ صرف بالتسخیر ہی عبد ہیں بلکہ اعمال صالح کی بدولت یہ عبد بالاختیار بھی رحمٰن کے بندے ہوتے ہیں۔ سورۃ الفرقان میں ان تقاضوں کو کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

- زمین پر تسکین اور وقار وفروتنی کے ساتھ چلتے ہیں نہ کہ ضعیفانہ اور مریضانہ چال۔
- اہل جہالت و اہل سفاہت سے اُلجھتے نہیں۔
- قیام وسجود میں راتیں بسر کرتے ہیں، مواخذۂ الٰہی سے ڈرتے ہیں عذاب قبر سے بے فکر نہیں ہوتے۔
- نہ مسرف ہیں نہ بخیل بلکہ میانہ رو۔

- شرک سے اجتناب کرتے ہیں۔
- قتل وزنا جیسے گناہ کے مرتکب نہیں ہوتے سوائے الا بالحق کے۔
- وہ ہمیشگی کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ اس لیے معصیت سے گریزاں رہتے ہیں۔
- وہ اللہ سے اپنے گزشتہ گناہوں سے تائب ہوتے ہیں تاکہ اللہ ان کا حال تبدیل فرما دے۔
- جھوٹی گواہی نہیں دیتے، باطل پرستی اور بیہودہ محافل میں شرکت نہیں کرتے۔
- اللہ کی باتوں کو فکر وتدبر سے سنتے ہیں حق کے ادراک کی خاطر نہ کہ پتھر کی مورتی بن کر۔
- ہر دم دعا کو رہتے ہیں تاکہ آنکھوں کو ٹھنڈک اور قلب کو سرور مل سکے۔
- اطاعت الٰہی کا چلتا پھرتا شاہکار ہونے کے باوجود اللہ سے خواستگار رہتے ہیں کہ خود وہ مہتدی ہوں اور دوسروں کے لیے ہادی بن جائیں۔ (سورۃ الفرقان، آیت: ۶۳ تا ۷۷)

عباد المخلصین

عباد المخلصین انبیاء جو فطرت میں مستقیم وللہیت میں بے مثال اور استقامت فی الدین کی اعلیٰ مثال نیز ابلیس کی ہار ہوتے ہیں۔ سورۃ الاخلاص اور آیۃ الکرسی ان کے دل و دماغ کا حصہ بن جاتی ہے جس کا اطلاق نتیجہ اخلاص وللہیت کی صورت میں ان کے ہر قول وعمل سے مترشح ہوتا ہے۔ اور یوں وہ چلتے پھرتے آیتوں کی تفسیر بن جاتے ہیں۔

عبداً شکوراً

"عَبۡدًا شَکُوۡرًا" (سورہ بنی اسرائیل، آیت:۳) حضرت نوح کو اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندہ گردانا گیا ہے۔ یہ وہ درجہ ہے کہ جو صرف ہر حال میں انتہائی شکر کرنے والوں کو حاصل ہوتا ہے۔ ہر حال میں اللہ کا شکر کرنا بندۂ ناچیز کے لیے آسان کام نہیں یہ خاصہ فقط اس ہستی کو ہی حاصل ہوتا ہے جو **Self Controlling** میں کمال رکھتی ہو۔

اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ

"اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ" (سورہ بنی اسرائیل، آیت:۱) مسجد حرم سے مسجد اقصیٰ تک۔

وہ مشتِ خاک ہوں، فیضِ پریشانی سے صحرا ہوں
نہ پوچھو میری وسعت کی، زمین سے آسماں تک ہے
(بانگِ درا)

اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ کا سفر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے۔ کہ جوں جوں ہم سائنسی ترقی میں دریافتوں کے سلسلے کو بڑھاتے جائیں گے ویسے ویسے سفر میں برق رفتاری آتی جائے گی جو انسان کے لیے ممکن ہے۔ دوم یہ کہ انسانی دماغ کو اگر صحیح طور پر استعمال کیا جائے تو اس کا ذہنی سفر اور زیادہ برق رفتار ہوجاتا ہے جہاں جسم کی رسائی نہیں ہوسکتی وہاں ذہن کی رسائی ہوسکتی ہے۔ اور ابھی تو انسان نے اپنے ذہن کو شاید 10% بھی استعمال نہیں کرسکا کیوں کہ ذہن تو نیند کی حالت میں بھی اپنا کام دکھاتا ہے۔ یہ ممکنات سعیِ انسان ہے۔ لیکن !!!!!!!

سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی کا سفر ناممکنات سعیِ انسان ہے کیوں کہ یہ تو ربّ العٰلمین کی جانب سے مختص اور وہب شدہ ہے۔

سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی

"عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی" (سورۃ النجم، آیت:۱۴) یہ وہ درجہ ہے جس پر کوئی بشر آپ کا شریک و سہیم نہیں۔ یہ مقام عبدیت کی انتہا ہے۔

اور یوں عباد الرحمٰن اچھا نمونہ اور خیر میں اقتداء کرکے جنت کے اعلیٰ درجات کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ دراصل یہ نتائج ہی ان تقاضوں کی سرفرازیاں ہیں۔

مومنین کی پاک صفتوں اور ان کے بھلے اقوال عمدہ افعال بیان فرما کر ایک طرف تو یہ بتانا مقصود تھا کہ اگر تم میرے بندے ہو تو پھر یہ صفات بطور تقاضہ تمہارے سامنے رکھ دی گئی ہیں۔ لہٰذا ان کو اپناؤ۔ اور دوم یہ کہ یاد رکھو کہ اللہ نے اپنی مخلوق کو اپنی عبادت اور تسبیح وتہلیل کے لیے پیدا کیا ہے اگر مخلوق یہ نہ بجالائے تو وہ خدا کے نزدیک نہایت حقیر ہے۔ ایمان کے بغیر انسان ناکارۂ محض اور شیطان کا چارہ ہے۔ اور سوم یہ کہ اگر اللہ کو کافروں کی چاہت ہوتی تو وہ

انہیں بھی اپنی عبادت کی طرف جھکا دیتا لیکن اللہ کے نزدیک یہ کسی گنتی ہی میں نہیں، لہٰذا تکذیب کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ بس معاملہ ختم ہوگیا ہے بلکہ اس کا وبال تمہارے ساتھ ہی ساتھ ہے۔ دنیا وآخرت میں ذلت ورسوائی ان کا مقدر ہے۔ اور عذاب علیحدہ چمٹے ہوئے ہے۔

لہٰذا اب عبدالطاغوت کی وضاحت لازم ہے۔

عبدطاغوت کی کارفرمائیاں اور اس کے ہلاکت انگیز واشراری، اخلاقی نتائج

وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ط (سورۃ المائدۃ، آیت:۶۰)

ترجمہ: اور ان میں سے بعض کو بندر اور سور بنادیا اور جنہوں نے معبودان باطل کی پرستش کی۔

طاغوت، من رفع راية ضلالة فصاحبها طاغوت (۹)

"جو شخص گمراہی کا جھنڈا بلند کرے وہ طاغوت ہے۔"

علامہ مخدوم علی مہائمی فرماتے ہیں کہ:

"طاغوتی قوت نظریہ کا قوت شہویہ اور غضبیہ کے تابع کردینے کا نام ہے۔" (۱۰)

جب کہ تفسیر فی ظلال القرآن میں سید قطب شہید فرماتے ہیں کہ:

"طاغوت ہر وہ اقتدار ہے جو اللہ کے اقتدار اعلیٰ سے آزاد ہے۔ 'طاغوت' ہر وہ حکم ہے جس کی بنیاد اللہ کی شریعت پر نہ ہو 'طاغوت' حق سے تجاوز اور تعدی کو کہتے ہیں اور اللہ کے اقتدار اعلیٰ اس کی الوہیت اور حاکمیت کے خلاف تعدی اور محبت سے شدید طغیان ہے۔ اور یہ مفہوم 'طاغوت' کے لفظ اور معنی پر سب سے زیادہ چھایا ہوا ہے۔"

مصنف اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اہل کتاب نے اپنے احبار و رہبان (علماء و مشائخ) کی پرستش نہیں کی البتہ ان کے وضع کردہ قوانین کی پیروی کی اور ان کے مقابلے میں خدا کی شریعت کو ترک کیا اس جرم کے ارتکاب کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں 'احبار ورہبان کا بندہ' بتایا اور انہیں مشرک قرار دیا۔ یہی دقیق مفہوم بیان 'عبدالطاغوت' میں مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہوں نے 'طاغوت' کی بندگی کی یعنی ان اقتداروں کی، جو خدا سے باغی اور اس کے حق بندگی سے تجاوز کرنے والے تھے۔ اہل کتاب نے ان کی بندگی رکوع وسجود کے معنی میں نہیں کی انہوں نے ان کی بندگی اتباع واطاعت کے لحاظ سے کی اور یہ ایک ایسی عبادت ہے کہ اس کا مرتکب اللہ کی عبادت اور اس کے دین سے خارج ہوجاتا ہے۔" (۱۱)

سو جو کوئی بھی اس راہ پر چلے وہ اشرار ہیں اور راہ ہدایت سے بہت دور بھٹک گئے ہیں۔ اسی لیے اللہ نے ان پر لعنت فرمائی ہے۔ تفسیر صدیقی میں ہے کہ:

"صاحبو! بندر اور سور بنانے سے مراد، چھچھورے، بدعقل اور خنازیر سے مراد شہوت پرست بھی لیے جاسکتے ہیں اور بندر اور خنزیر کے حقیقی معنی لیے جائیں اور ان کو مسخ شدہ سمجھیں تو درست ہے کیوں کہ ان الفاظ سے یہی نکلتا ہے۔ بخت نصر کے زمانے میں بنی اسرائیل میں جو تغیر پیدا ہوا اسی کی طرف اشارہ ہے بنی اسرائیل کے قدم بہ قدم چلنے والے مسلمانوں پر غور کرو کہ چھچھور پن اور شہوت پرستی میں کیا بندر اور سور سے کم ہیں؟ ایک زمانے سے برائیوں کے اس قدر عادی ہوگئے ہیں کہ ان کے اپنے مسخ ہونے کا احساس باقی نہیں رہا اور نہ ان کو اس کا احساس باقی رہا ہے کہ وہ غیر خدا کی پوجا کر رہے ہیں۔" (۱۲)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس طرح انسان ان کی شاطرانہ چال میں آجاتا ہے؟ الفات الحدیث میں ہے کہ:

"علمی حد سے بڑھ جانا جیسے طغیان ہے، ان للعلم طغیانا کطغیان المال۔ علم میں بھی ایک جوش ہوتا ہے جیسے مال کا جوش ہوتا ہے عالم بھی علم کی وجہ سے حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ مشتبہ باتوں کو مختلف حیلوں سے حلال کرلیتے ہیں، رخصتوں پر عمل کرتے کرتے ناجائز کاموں کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں یا اپنے علم پر عمل کرنے کی تو کوشش نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ اپنی معلومات بڑھانے کی فکر میں رہتے ہیں ایسا علم ایک وبال ہے۔" (۱۳)

مذکورہ بالا تصریحات اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ دور قدیم ہو یا جدید علماء و مشائخ حضرات اپنے علم کے طفیل بسا اوقات ایسے ایسے فساد پیدا کردیتے ہیں کہ جو ناختم ہونے والے سلسلے کی مانند ہوتے ہیں جیسا کہ سائنس کی ہر قسم کی توجیہ کو تسلیم کرلیا خواہ وہ آنے والے دور میں اپنی حیثیت ہی کھو بیٹھے اور ایک سچائی اس کی جگہ لے لے۔ موجودہ دور میں یہی حال زندگی کے مختلف شعبوں پر حاوی ہیں خواہ وہ سیاست کا شعبہ ہو یا معیشت و اقتصادیات کا، معاشرت کا شعبہ ہو یا ثقافت کا، تعلیمی شعبہ ہو یا مذہبی، الغرض کوئی بھی ایسا شعبۂ زندگی نہیں کہ جس میں غیر اللہ کے نظام کی اطاعت نہ ہوئی ہو۔ جو کہ سراسر اللہ کی حاکمیت کے خلاف تعدی ہے، یہی وجہ ہے کہ فساد فی الارض بڑھتا ہی چلا جارہا ہے اور ملعون طبقہ مسلط جتائے ہوئے ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ نہ تو عالم باعمل کی کثرت ہے نہ خالص وعظ ونصیحت، کیوں کہ اگر بکثرت لوگ گناہ، ظلم وزیادتی اور حرام خوری میں سرگرم ہیں تو آخر ان کے علماء اور فقہا انہیں گناہ پر زبان کھولنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے؟ ایسے قوانین کیوں نہیں منظور کیے جاتے کہ جس سے اللہ کے بندے قدر اطمینان سے زندگی بسر کرسکیں۔ عبدالطاغوت کو آج بے نقاب کیوں نہیں

کیا جاتا؟ آج ہمارے ایمان کمزور کیوں ہو گئے ہیں؟ آج ہماری زبانیں حق کے خلاف زیادتی پر خاموش کیوں ہیں؟ آج ہمارا وہی حال ہے جو تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ:

> سیّدنا عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ایک بار حضورﷺ کی خدمت میں ایک جماعت آئی جن میں ابو یاسر ابن اخطب، رافع بن ابی رافع، عازورا، اشیع وغیرہ یہود کے پادری بھی تھے انہوں نے سیّد عالمﷺ سے سوال کیا کہ آپﷺ انبیاء میں سے کس کس کو مانتے ہیں؟ اور اس سوال سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر یہ حضرت عیسیٰ کو نہ مانیں تو وہ آپﷺ کی نبوت پر ایمان لے آئیں گے۔ مگر آپﷺ کا جواب لا نفرق بین احد من رسلہ تھا۔ تو یہ لوگ آپﷺ کی نبوت کے منکر ہو گئے اور کہنے لگے جو حضرت عیسیٰ کو مانے ہم اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ (۱۴)

مسلمانوں کے طبقوں میں بھی علماء مشائخ کی گروہ بندی ہے بجائے اس کے کہ بنی آدم تسخیر انفس و آفاق کرے اسے معمولی باتوں اور ضروریات زندگی میں الجھا کر رکھ دیا گیا ہے آج چاند پر جانے کی کوششیں نہیں کیں جاتیں بلکہ اگر کوئی نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے (مرد کے) پائنچے ذرا نیچے ہوں تو فوراً فتویٰ صادر کر دیا جاتا ہے کہ تمہاری تو نماز ہی نہیں ہوئی۔ حالاں کہ اتنی دیر وہ اگر کسی علم فزکس، میتھمیٹکس، معاشیات، سیاسیات الغرض کسی بھی فنون لطیفہ اور کسی بھی شعبہ ہائے زندگی سے متعلق یا پھر بزبان قرآن آیات و آثار پر تفکر و تدبر کرتا تو شاید حق کے قریب ہی پہنچ جاتا یا پھر حق سے بہرہ مند ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج جس قدر منفی سمت توانائیوں کو خرچ کیا جا رہا ہے اس قدر مثبت سمت کی جانب نہیں بڑھا جا رہا۔ ایسا اس وجہ سے ہے کہ ہم نے قرآن کی تعلیمات کو بھلا دیا ہے۔ ہم آفاقی و فطری و مطلق تعلیم کو فراموش کر رہے ہیں جو کہ انسانیت کے فروغ و ترقی کی علمبردار ہے اور رواداری کا درس دیتی ہے آج ہمیں اگر

یاد ہے تو صرف یہ کہ انسان ایک معاشرتی حیوان ہے جو جبلت کا غلام ہے جس طرح جی چاہے سو کرتا پھرے۔ اس فلسفے نے انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑا ہر چوکھٹ پر سجدہ کروا دیا۔ اس تشنگی وحدت سجدہ کو شاعر نے کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔ بقول شاعر:

وہ سجدۂ روح زمین جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

(علامہ اقبال)

آج ہر بری بات کو **Just for Enjoyment** کہہ کر اختیار کر لیا جاتا ہے، آج برائی کو برائی نہیں سمجھا جاتا۔ کیونکہ حیاء ایمان کا جز ہے مگر جب ایمان ہی مستقیم نہ رہے تو پھر بے چاری حیاء کیا کرے اسی لیے اللہ نے انہیں عذاب کی نوید سنائی ہے۔

> اُولٰٓئِکَ شَرٌّ مَّکَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ○ (سورۃ المائدہ، آیت: ۶۰)

ترجمہ: "یہ لوگ بدترین ٹھکانے والے اور راہ راست سے بہت زیادہ بھٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔"

اللہ تبارک و تعالیٰ ایسے ہی افراد کے بارے میں جو اپنے نفس کے غلام ہیں اور خواہش نفس پر ہر شے کی بنیاد رکھتے ہیں اس لیے ایسے افراد کو تو مومن شب و روز دیکھتے رہتے ہیں۔ شیطان سے آنکھ مچولی کرتے ہوئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:

> یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ ط وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًا م بَعِیْدًا○ (سورۃ النساء، آیت: ۶۰)

ترجمہ: "وہ چاہتے ہیں کہ طاغوت کو اپنا حاکم بنائیں حالاں کہ انہیں تو حکم دیا

گیا تھا کہ اس سے انکار کرنا اور شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ گمراہی میں انہیں دور لے جائے۔"

اسی لیے غیر اللہ یا اپنے نفسی معبود کی پیروی نہیں کرنی چاہیے کیوں کہ طاغوت کا کام یہ ہے کہ وہ:

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُـهُمُ الطَّاغُوْتُ لا يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ط اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (سورۃ البقرۃ، آیت:۲۵۷)

ترجمہ: اور جو منکر ہوئے ان کے سرپرست شیطان ہیں جو ان کو نکالتے ہیں نور سے تاریکیوں کی طرف وہی اہل جہنم ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

اور یوں انسان 'عبد طاغوت' بنتا ہے کہ پہلے عبطیت کا شکار ہوتا ہے جس کا لازمی نتیجہ 'ابلیسیت' ہے۔

مقام عبدیت الٰہی کی سرفرازیاں اور اس کے فلاحی و دائمی اخلاقی نتائج

طاغوت کی اطاعت سے انکار ہی تو اللہ کی اطاعت اور الرسول کی اتباع کا علم سربلند کرنا ہے۔ یہی ایمان باللہ ہے جس سے نور ہدایت حاصل ہوتا ہے اس نور کو قرآن حکیم نے 'عُرْوَةِ الْوُثْقٰى' کہا ہے:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ م بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ق لَا انْفِصَامَ لَهَا ط (سورۃ البقرۃ، آیت:۲۵۶)

ترجمہ: پس جس نے ورغلانے والے سے انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا یقیناً اس نے مضبوط رسی کو پکڑ لیا جو ٹوٹ نہیں سکتی۔

'عُرْوَةِ الْوُثْقٰى' یعنی اس نور ہدایت جو متمسک ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسے ہدایت و گمراہی میں تمیز ہوگئی تو اب جو کوئی گمراہی کو چھوڑ کر ہدایت کو منظور کرے گا تو اس نے

مضبوط چیز کو، مضبوط سہارے کو تھام لیا۔ اب اسے بغاوت و انحراف کی اجازت نہیں دی جاسکتی کیوں کہ اگر اسلام اس کی اجازت دے دیتا تو نظریاتی اساس منہدم ہوسکتی ہے یہ بالکل اس طرح ہے کہ جس طرح انسانی حقوق کے نام پر قتل، چوری، ڈاکہ، زنا جیسے جرائم کی اجازت نہیں دی جاسکتی اسی طرح آزادیٔ رائے کے نام پر ایک اسلامی مملکت میں نظریاتی بغاوت یعنی ارتداد کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اسی لیے جن لوگوں میں ہدایت اور گمراہی کے مابین تمیز پیدا ہوجاتی ہے وہ اس نور سے متمسک ہوجاتا ہے اس کیفیت کو رب تعالیٰ نے سورۃ الانعام میں کچھ اس طرح بیان فرمایا ہے کہ:

اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ط (سورۃ الانعام، آیت:۱۲۲)

ترجمہ: ایسا شخص جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کردیا اور ہم نے اس کو ایک ایسا نور دے دیا کہ وہ اس کو لیے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے۔ کیا ایسا شخص اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے؟ جو تاریکیوں سے نکل ہی نہیں پاتا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کافر کو میت یعنی مردہ اور مومن کو حی یعنی زندہ قرار دیا ہے اس لیے کہ کافر کفر و ضلالت کی گمراہیوں میں بھٹکتا پھرتا ہے اور اس سے نکل ہی نہیں پاتا جس کا نتیجہ ہلاکت و بربادی ہے جب کہ ایمان والا ایمان و ہدایت کے راستے پر گامزن ہوجاتا ہے جس کا نتیجہ کامیابی و کامرانی ہے۔ اور یوں انسان ایک خدائے واحد کے قوانین کی اطاعت اختیار کرکے ساری کائنات میں سرفرازی کی زندگی بسر کرتا ہے یہی توحید ہے۔ کہ انسان خدا کا عبد بننے کے بعد ہر طرح کی غلامی سے آزاد ہوجاتا ہے یہی عبدیت الٰہی ہے۔ بقول شاعر:

وہی سجدہ ہے لائق اہتمام
کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پہ حرام
(ساقی نامہ، بالِ جبرائیل)

اس کی عملی تعبیر اس کی زندگی میں بھی نظر آتی ہے وہ تمام عبادات اور رسوم ومظاہر اس طرح انجام دیتا ہے کہ جس سے جذباتی تقاضوں سے لے کر دیگر حیاتی تقاضوں کی تسکین خود بخود حاصل ہوتی جاتی ہے بتدریج۔ ایسا اس لیے ہے کہ انسانی ارادہ اور اس کی جسمانی حرکات میں ایک خاص قسم کا ربط پیدا ہوجاتا ہے۔ توحید سے تربیت نفس، تربیت نفس سے تزکیۂ نفس، تزکیۂ نفس سے تعمیر شخصیت اور تعمیر شخصیت سے تشکیل معاشرہ ہوتا ہے۔ اس طرزِ عمل سے ایسا مثالی معاشرہ عمل میں آتا ہے کہ جو انسانیت کی بقا وترقی کے لیے سراسر سلامتی کا باعث بنتا ہے اس کا دور دورہ ہوتا ہے وحدت سجدہ کی وجہ سے فساد فی الارض نہیں ہوتا۔ یعنی معاشرہ حقیقت میں عبادالرحمٰن کا معاشرہ ہوتا ہے دنیا بھی ان کی ہوتی ہے اور آخرت کی حسنات بھی ان کی ہی ہوتی ہیں۔

تاہم جو لوگ عبادِ مخلص نہیں ہیں انہیں کھلی چھوٹ 'قانونِ مہلت' کے تحت ملی ہوتی ہے حقیقت حال یہ ہے کہ جو قومیں دنیا میں ذلیل و رسوا ہوئیں وہ حق سے بے بہرہ ہوکر حواس رکھنے کے باوجود بھی حواس کا صحیح استعمال نہ کیا بلکہ غفلت میں اندھے رہے تو روز قیامت بھی اس سے کہیں زیادہ اندھی صورت میں اللہ اُٹھائے گا۔ ارشادِ ربانی ہوتا ہے کہ:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ٥ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِىْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ٥ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ج وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ٥ (سورۃ طٰہٰ، آیت:۱۲۴ تا ۱۲۶)

ترجمہ: ''اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا اس کی زندگی تنگی میں رہے گی

اور ہم اسے بروزِ قیامت اندھا کرکے اُٹھائیں گے۔ وہ کہے گا کہ الٰہی! مجھے تو نے اندھا بناکر کیوں اُٹھایا؟ حالاں کہ میں تو دیکھتا بھالتا تھا۔ اسی طرح ہونا چاہیے تھا تو میری آئی ہوئی آیتوں کو بھول گیا تو آج تو بھی بھلا دیا جاتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اللہ ایسا ہی بدلہ دیا کرتا ہے۔ لیکن جو لوگ توبہ کرتے ہیں اور اللہ کو اپنا سرپرست اعلیٰ تسلیم کرلیتے ہیں تو پھر ان کے بارے میں اللہ کا یہ واضح فرمان موجود ہے کہ:

اَللّٰهُ وَلِىُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط (سورۃ البقرۃ، آیت:۲۵۷)

ترجمہ: اور اللہ سرپرست ہے ان کا جو ایمان لائے وہ ان کو نکالتا ہے تاریکیوں سے نور کی طرف۔''

جو لوگ اللہ کو اپنا 'ولی' تصور کرتے ہیں طاغوت کی بندگی سے اجتناب برتتے ہیں ان سے اللہ اس طرح مخاطب ہے کیوں کہ وہ رجوع کرنے والے ہیں:

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ج فَبَشِّرْ عِبَادِ ٥ (سورۃ الزمر، آیت:۱۷)

ترجمہ: ''وہ لوگ جنہوں نے طاغوت کی بندگی کرنے سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا ان کے لیے خوشخبری ہے پس میرے ایسے بندوں کو خوشخبری دے دے۔''

اس خوشخبری کو اللہ اپنا وعدہ قرار دیتا ہے ارشادِ ربانی ہوتا ہے کہ:

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ لا تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ج وَعْدَ اللّٰهِ ط لا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ٥

(سورۃ الزمر، آیت:۲۰)

ترجمہ: "لیکن وہ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لیے بالاخانے بالائے بالاخانے تعمیر کیے گئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے اللہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔"

اگر ہم مقام عبدیت کی سرفرازی چاہتے ہیں تو پھر تسخیر انفس و آفاق کریں نفوس کے تزکیہ کے ساتھ۔ اور اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری روح نور ہدایت سے متمسک رہے اور اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ دنیا و آخرت دونوں کی فلاح نصیب ہو تو پھر اس یقین پر زندگی کی بنیاد رکھیں کہ:

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ ○ (سورۃ التوبۃ، آیت:۱۰۹)

ترجمہ: "بھلا جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی اللہ سے ڈرنے پر اور اس کی رضا مندی پر وہ بہتر یا جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی کنارہ پر ایک کھائی کے جو گرنے کو ہے۔۔۔۔"

یعنی جس کام کی بنیاد تقویٰ، یقین و اخلاص اور اللہ کی رضا جوئی پر ہو وہ نہایت مستحکم اور پائیدار ہوتا ہے برخلاف اس کے کہ جس کام کی بنا شک و نفاق اور مکر و خداع پر ہو وہ اپنی ناپائیداری، بودے پن کے لحاظ سے ایسا ہے کہ جیسے کوئی عمارت ایک کھائی کے کنارے پر کھڑی کی جائے کہ ذرا سا زمین جھٹکا آیا یا پانی کی تھپیڑ کنارہ کو آلگی، ساری عمارت دھڑام سے نیچے کو آرہی۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ عباد المخلصین بنے اللہ پر اس قدر یقین کامل اور توکل کرے جیسا کہ حکم ربی ہے کہ:

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ

ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ (سورۃ یونس، آیت:۱۰۷)

ترجمہ: "اور اگر اللہ تجھے کوئی ضرر پہنچائے تو اس کو ٹالنے والا کوئی نہیں، سوائے اسی کے۔ اور اگر وہ تیرے لیے بھلائی کا ارادہ کرلے تو اس کے فضل کو کوئی رد کرنے والا نہیں۔ وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے نچھاور کردے اور وہ بڑی مغفرت والا، بڑی رحمت والا ہے۔"

نیز عَبْدًا شَكُوْرًا (سورۃ بنی اسرائیل، آیت:۳) کی منزلوں پر بتدریج گامزن ہوا جائے جس طرح حضرت نوح نے ہر مخالفت کے باوجود صراط مستقیم کو نہ چھوڑا راہ حق میں بیٹے کی اور بیوی کی قربانی دے دی۔ لیکن اللہ کی خاطر اہل کو چھوڑ دیا مگر شکر کے دامن کو نہ چھوڑا چنانچہ ہر عبد کے لیے حضرت نوح کی زندگی مشعل راہ ہے الغرض ایک کھلی کتاب ہے جو چاہے سو پڑھ لے۔

مقام عبدیت کی انتہا اسریٰ و معراج

اسریٰ اور وہاں سے اوپر 'سدرۃ المنتھی' تک کی سیاحت کو معراج کہتے ہیں۔ یہ دراصل مقام عبدیت کی انتہا 'اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ' (سورۃ بنی اسرائیل، آیت:۱) اور انتہا 'عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى' (سورۃ النجم، آیت:۱۴) سورۃ النجم میں پہلی آیت کے مطابق رؤیت رب مراد نہیں۔ رؤیت جبرائیل مراد ہے۔ حضرت ابن عباس سے سوال کیا گیا کہ دعویٰ رؤیت آیت 'لا تدرکه الابصار' کے مخالف ہے تو فرمایا کہ:

ویحک ذاک اذا تجلی بنورہ الذی ھو نورہ (رواہ الترمذی)

"معلوم ہوا کہ خداوند قدوس کی تجلیات و انوار متفاوت ہیں۔ انوار قاہرہ للبصر ہیں۔ بعض نہیں اور رؤیت رب فی الجملہ دونوں درجوں پر صادق آتی ہے۔ اسی لیے کہا جاسکتا ہے کہ جس درجہ کی رؤیت مومنین کو آخرت میں نصیب ہوگی جب کہ نگاہیں تیز کردیں جائیں گی۔ جو اس تجلی کو برداشت کرسکیں وہ دنیا میں کسی کو حاصل نہیں۔ ہاں ایک خاص درجہ کی رؤیت محمد ﷺ

کو شبِ معراج میں ابن عباس کی روایت کے موافق میسر ہوئی۔ اور اس خصوصیت میں کوئی بشر آپ ﷺ کا شریک و سہیم نہیں۔" (۱۵)

یاد رہے کہ تجلی الٰہی کی درخواست پر جب حضرت موسیٰ اپنے 70 ساتھیوں کی معیت میں جب کوہ طور پر پہنچے تھے تو حضرت موسیٰ بیہوش اور بقیہ مر گئے تھے اور پھر حضرت موسیٰ کے کہنے پر دوبارہ زندہ کیے گئے۔ ایسا اس لیے کہ ایک عام بشر میں تجلی الٰہی کی استعداد ہی نہیں رکھی گئی وہ تو جب روز قیامت آئے گا تب وہ کس قدر تجلی الٰہی کو دیکھ سکیں گے کیوں کہ اس وقت نگاہ تیز کر دی جائے گی۔

سچ تو یہ ہے کہ جو کوئی انبیاء علیہم السلام کے نقش قدم پر چلا جو کہ اخلاص و للّٰہیت میں خاص تھے اس نے ہدایت پائی اپنے نفس کے لیے۔ اور جس نے حق کو بالائے طاق رکھ کر طاغوت کی اتباع کی وہ گمراہ ہوا تو اپنے نفس کے لیے۔

دوم یہ کہ اگر کوئی مومن چاہتا ہے کہ وہ بھی کسی قدر تجلی الٰہی سے مستفید ہو سکے تو اسے چاہیے کہ وہ نماز میں 'لَو' لگائے کیوں کہ نماز مومن کے لیے معراج کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ سمتیں آسمان اور حالت سجدہ زمین میں عبد جب اللہ سے خالصتاً رجوع کرتا ہے تو شیطان ان دو سمتوں میں حائل نہیں ہوتا۔ ان سمتوں کو اللہ نے اس سے محفوظ رکھا ہے یہ صرف اللہ سے رابطے کو بڑھانے کی سمتیں ہیں۔ بقول علامہ اقبال:

متاع بے بہا ہے درد و سوز آرزو مندی
مقام بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی

(بال جبرائیل)

سوم یہ کہ تحقیق و اجتہاد پر بدستور کاربند رہے تاکہ حق الحب وسط ادا ہو سکے۔ زندگی حیات جاوداں بن جائے یہی تو مقام عبدیت کی سرفرازیاں ہیں۔ لہٰذا ہماری دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں مقام عبدیت کی سرفرازیاں نصیب فرمائے۔

حوالہ جات

المفردات فی غریب القرآن، العلامۃ الحسین بن محمد بن المفضل الملقب بالراغب الاصفہانی، کراچی، کارخانہ تجارت، ۱۳۸۰ھ، ص:۳۲۱ تا ۳۲۲

المفردات فی غریب القرآن، ایضاً، ص:۳۲۱

المفردات فی غریب القرآن، ایضاً، ص:۳۲۱

المفردات فی غریب القرآن، ایضاً، ص:۳۲۲

تفسیر الحسنات، علامہ ابو الحسنات سید محمد قادری، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ص:۸۱، ج:۳

المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص:۳۲۱

تفسیر بیان للناس، خواجہ احمد الدین، ص:۱۶۳، منزل چہارم

المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص:۱۶۰

لغات الحدیث، علامہ وحید الزماں، کراچی، میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب آرام باغ، ص:۲۴، ج:۳

لغات القرآن، مولانا عبد الرشید نعمانی، کراچی، دار الاشاعت، ۱۹۹۴ء، ص:۹۶، ج:۳

تفسیر فی ظلال القرآن، سید قطب شہید مترجم سید حامد علی، لاہور، البدر پبلی کیشنز ۲۳، رحمٰن مارکیٹ اُردو بازار، ص:۶۹۸، ج:۳

تفسیر صدیقی، حضرت محمد عبد القدیر صدیقی، کراچی، ادارہ تفسیر صدیقی، ۱۹۹۵ء، ص:۸۴۸، ج:۳

لغات الحدیث، علامہ وحید الزماں، محولہ بالا، ص:۲۴، ج:۳

تفسیر الحسنات، محولہ بالا، ص:۸۳، ج:۳

تفسیر عثمانی، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، نفیس پبلشرز، الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور، ص:۶۸۹

التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۵، مسلسل شمارہ ۱۶، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۱، ص ۴۲-۵۲

قدیم عرب میں لفظ "شاعر" کا مفہوم اور چند تفاسیر قرآن

شیما ربانی

'Ayah' no.224to226 of surah 'ALShu'ara' of the holy Quran seem to have condemmed poets and poetry and 'ayat' no.227 gives an exception. It is necessary to clarify that the condemmation does not refer to the connotation of poet and poetry in the modem sense. People appreciate poetry and respect poets but they do not follow them. The 'Shuara' referred to here was a class of persons in Aarbs who were belived to have metaphysical knowledge and capability to make prophesies.

The exception also does not refer to some of the people straying in evil and following the 'Shuara' or to the poets writing only ' Hamd ' and ' naat' or mystic poetry. This 'ayat'(no.227) actually refers to the people who believe are on the right path in their actions and remember Allah. Such persons can only be followers of the holy prophet and not of any intellectual .

قرآن میں سورۃ الشعراء کی آیات ۲۲۴۔۲۲۶ "شاعر" سے متعلق آئی ہیں:

والشعرآء یتبعهم الغاون۔ الم تر انهم فی کل وادٍ یهیمون لا
وانهم یقولون ما لا یفعلون۔

ترجمہ" اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں۔ اے مخاطب کیا تم کو معلوم نہیں کہ وہ لوگ ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں۔ اور زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔"(۱)

سوال یہ ہے کہ یہاں مذکور لفظ "شاعر" کیا محض فن شاعری سے متعلق افراد کے لئے عمومی لحاظ سے استعمال ہوا ہے یا پھر کسی مخصوص پیرائے میں کسی مخصوص گروہ کے تصور کا پس منظر رکھتے ہوئے استعمال ہوا ہے۔ نیز کیا ان آیات کا مقصد فنون لطیفہ کی ایک اہم صنف شاعری کو مسترد کردینا ہے یا پھر ان آیات کے پس منظر میں موجود تصور کی مذمت کرنا ہے۔

ان سوالات کے جواب تلاش کرنے کے لئے قدیم عرب میں "شاعر" کے قدیم تصور اور مفہوم کے بارے میں علم حاصل کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی اہم ہے کہ آیا چند مشہور تفاسیر میں مفسرین نے اس موضوع پر جو اظہار خیال کیا ہے اس کو بھی پیش کردیا جائے۔

قدیم عربوں میں 'کاہن' بہت اہمیت رکھتے تھے یہ لوگ تیروں کے ذریعے فال نکالتے اور لوگوں کو ان کے مستقبل کے حالات سے واقفیت فراہم کرتے تھے۔ عرب قوم کاہنوں کی بہت تعظیم کرتی اور ان کی تمام حرکات کو غیب دانی پر محمول کرتی تھی۔ اہل عرب کا عقیدہ تھا کہ دیوتاؤں کی روحیں کاہنوں کے جسم میں حلول کر جاتی ہیں اور ان کو غیب کی باتیں بتا دیتی ہیں اور ان کو آسمان کی خبریں معلوم ہو جاتی ہیں۔ 'کاہن' عام طور پر کسی نہ کسی خانقاہ سے منسلک اور محدود ہوتا تھا اور اس کی مدد خانقاہ جا کر حاصل کی جاتی تھی۔ شاعر، کاہن کی ایک قسم سمجھے جاتے تھے۔

'شاعر' آزاد منش شخص ہوتا تھا اور صحراء میں گھومتا پھرتا تھا اور لوگوں کو مشورے

دے کر ان کی مدد کرتا تھا۔ اس کے مشورے اور تجاویز ایک ان دیکھی طاقت کی طرف سے سمجھے جاتے تھے۔ شاعر کسی خانقاہ سے متعلق نہیں ہوتا تھا۔ 'شاعر' کے الفاظ خوبصورت اور دلپذیر ہوتے تھے جس سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کے اندر موجود کوئی پر اسرار طاقت اس سے یہ سب کہلواتی ہے۔ شاعروں کے اشعار میں ایک طرح کی جادوئی خاصیت پنہاں سمجھی جاتی تھی لہذا 'شاعروں' کے 'دیوان' کو طلسماتی سمجھ کر محفوظ بھی کر لیا جاتا تھا۔ (۲)

شاعر کے کلام کو لوگ ماورائی حیثیت دیتے تھے اور شاعر کو ایسا پیشن گوئی کرنے والا سمجھا جاتا تھا جس کے مشورے اور تنبیہ اہم سمجھے جاتے تھے۔ عرب شاعروں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ قدیم عرب میں یہ رسم رہی کہ جنگ کے دن ہر قبیلے کا 'شاعر' میدان میں آتا اور حریف کے لئے بد دعائی اشعار پڑھتا جس کا مقصد اپنی فوج کا حوصلہ بڑھانا اور حریف فوج کے حوصلے کو پست کرنا ہوتا تھا کیونکہ قبائل شاعروں کے الفاظ ماورائی پیشن گوئی اور طلسماتی طاقت کا حامل سمجھتے تھے۔ (۳)

جب عرب میں اسلام کی آمد ہوئی اور مکہ میں رسول اللہؐ کی حیثیت ایک پیغمبر کی ہوگئی تو اب عام عربوں نے ان کی شخصیت اور ان کے ذریعے اترے ہوئے کلام کو بھی اپنے قدیم مذہبی عقائد و تصورات کی کسوٹی پر پرکھنا شروع کر دیا لہذا کبھی ان پر آنے والی وحی کو 'کہانت' کے زمرے میں رکھا جانے لگا اور کبھی 'سحر' کے اور کبھی حقائق بیان کرنے پر رسول اللہؐ پر مجنوں (دیوانہ) ہونے کے الزام عائد ہونے لگے۔ یہ سب اس لئے تھا کہ اب تک عرب جس مذہبی تربیت سے گزرے تھے اس میں مختلف النوع خیالات و نظریات بیان کرنے والوں کے لئے یہی کچھ سمجھا اور کہا جاتا رہا تھا۔ مگر اللہ تعالٰی نے ان کے تمام خیالات کو قرآن میں بالکل مسترد کر دیا اور بالکل واضح کر دیا گیا کہ جو کچھ رسول اللہؐ ان تک پہنچا رہے ہیں وہ در اصل اللہ کا کلام ہے اور عقائد کی وہ اصل صورت ہے جو زمانے کی دھول میں اٹ کر اس قوم کی نظر سے اوجھل ہو چکی ہے لہذا اب آخری رسول اس کو شفافیت سے ظاہر کر رہے ہیں۔

یہاں پر یہ بھی واضح کیا گیا کہ رسول اپنے دل سے کچھ بنا کر نہیں لاتے بلکہ یہ

سب خدائے واحد کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ جس کا اصل مقصد انسان کو اس کی زندگی کے لئے رہنما اصول فراہم کرنا ہے۔

چند مشہور تفاسیر قرآن میں سورۃ الشعراء کی ان آیات کی تفسیر کچھ اس انداز میں کی گئی ہیں جس میں کہیں کہیں یہ بات واضح ہوتی نظر آتی ہے اور کہیں محض یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید ان آیات کا مقصد فنون لطیفہ کی اس صنف پر ہی قدغن لگانا ہے، مگر عہد رسالت میں ہم کو کئی ایسے صحابہ کرام کا ذکر ملتا ہے جو ادبی اعتبار سے شاعر بھی تھے اور رسول اللہؐ نے ان کے اس فن کی کبھی تکذیب نہ فرمائی تھی۔

ابوالبرکات عبد اللہ بن احمد محمود النسفی لکھتے ہیں:

"یہ ان لوگوں کے متعلق اتری جو شعر کہتے اور اپنی زبان سے یہ بڑا
رتے کہ ہم بھی اس طرح کہتے ہیں جیسے محمدؐ کہتے ہیں۔ حالانکہ ان
لوگوں کے پیرو گمراہ قسم کے لوگ تھے جو ان کے اشعار سنتے۔" (۴)

یہاں یہ بات اہم ہے کہ یہاں مفسر کہانت اور ادبی شعر میں کوئی فرق واضح کئے بغیر یہ رائے دے رہے ہیں، جبکہ 'شعر' کے بارے میں فرق واضح کرنا ضروری ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ اگلی آیت ۲۲۷، سورہ الشعراء میں مومن شعراء کو مستثنٰی قرار دیا گیا ہے۔

الا الذین امنو و عملوا الصلحٰت و ذکرو اللہ کثیراً

ترجمہ "مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کیا اور وہ اللہ کو بہت یاد کرتے ہیں۔"

آگے وہ چند صحابہ کرام کے ناموں کا ذکر کرتے ہیں جیسے عبد اللہ بن رواحہ، حسان بن ثابت، کعب بن زہیر، کعب بن مالک وغیرہ کہ جب یہ لوگ شعر کہتے تو وہ اللہ تعالٰی کی توحید اور اس کی ثناء اور حکمت و موعظمت، زہد، ادب وہ مدح رسول اور مدح صحابہ و صلحائے امت پر کہتے ہیں۔ (۵)

یہاں بھی آیت کا دوسرا حکم امومن شاعروں کے بارے میں ہے تو یہاں بھی مفسر کو

ابتداً شاعری کی قسم کو واضح کر دینا چاہیئے تھا۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی فرماتے ہیں:

”جس شعر کی یہاں نفی مقصود ہے اس معنی کر دہ شعر کی وجہ سے شعراء کی مذمت ہوئی جس عموم میں صورۃً سب ناظمین آ گئے کو ان کے مضامین عین حکمت اور تحقیق ہوں اس لئے آگے ان کا استثنا فرماتے ہیں کہ ہاں مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے اچھے کام کئے (یعنی شرع کیخلاف نہ ان کا قول ہے نہ فعل یعنی ان کے اشعار میں بیہودہ مضامین نہیں ہیں)۔(۶)

مولانا صاحب یہاں قدرے وضاحت کرتے نظر آ رہے ہیں مگر پھر بھی اس ضمن میں تشنگی معلوم ہو رہی ہے کہ یہاں 'شعر' کو ادبی صنف کے طور پر لیا جا رہا ہے یا کہانت والی ضمن میں۔ فرق واضح نہیں ہو پا رہا۔

اور ہجو کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کسی کی ہجو جو بظاہر اخلاق حسنہ کے خلاف ہے تو اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ انہوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا ہے اس کا بدلہ لیا ہے۔“

علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی فرماتے ہیں:

”آیت میں وہ شعراء مراد ہیں جو کافروں کی حمایت میں رسول اللہؐ کی ہجو کرتے تھے۔ مقاتل نے ان کے نام نقل کئے ہیں جن میں عبد اللہ بن زبیر سہمی، ہبیرہ بن ابی مخزومی...اُمیہ بن صلت ثقفی ہیں۔“

یہ شعراء جھوٹی غلط سلط باتیں کرتے اور دعوی کرتے تھے کہ جیسا محمد کہتے ہیں ویسا ہم بھی کہتے ہیں یہ لوگ اشعار سناتے اور ان کی قوم کے کچھ گمراہ لوگ جمع ہو جاتے... یہی وہ لوگ تھے جن کو اللہ نے غاوٗن فرمایا ہے۔“ (۷)

یہاں بھی یہ ضروری نظر آتا ہے کہ 'شعر' کی حیثیتوں کا فرق واضح ہو کیونکہ اگر وہ شعراء جن کا ذکر کیا جا رہا ہے جب اپنے اشعار کو کلام اللہ کے مماثل قرار دیتے تھے تو اکثر شعر

کی ادبی اور کہانت والی حیثیتوں میں فرق کرنا بھول جاتے تھے۔

آگے چل کر وہ چند روایات بیان کرتے ہیں جو اس طرح ہیں:

”حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا اگر کسی کے پیٹ میں لہو، پیپ بھرا ہوا ہو کہ اس کی صحت غارت کر دے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ اس کے اندر شعر بھرے ہوں“۔ (رواہ البخاری مسلم و احمد و ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ)

”حضرت ابو سعید خدری کا بیان ہے ہم رسول اللہؐ کے ہم رکاب (کوہ) عرج میں چل رہے تھے اچانک ایک شاعر گاتا ہوا سامنے آیا حضور نے فرمایا شیطان کو پکڑ لو یا تھام لو.....“ (۸)

جبکہ آیت ۲۲۷ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں:

”مسلمانوں کی ہجا جن لوگوں نے کی ہو، اور جن مومن شاعروں نے اس کے مقابلے میں ان کی ہجا کی ہو اور اس طرح کافروں کے ظلم کا انتقام لیا ہو۔“

آگے اس ہی سلسلے میں روایت بیان ہوتی ہے:

”غزوہ بنو قریظہ کے دن رسول اللہؐ نے حسان بن ثابت سے فرمایا مشرکوں کی ہجو کرو جبرائیل (مدد کے لئے) تمھارے ساتھ ہیں....“

ایک اور روایت بیان ہوئی ہے:

”مسلم نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا قریش کی ہجو کرو تمھاری طرف سے یہ ہجو قریش کے لئے تیر لگنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔“(۹)

مزید ایک روایت یوں آئی ہے:

”عمرو بن شدید نے اپنے باپ کی روایت سے بیان کیا عمرو کے باپ نے کہا میں ایک روز رسول اللہؐ کے پیچھے حضور کے ساتھ سوار تھا

فرمایا کہ امیہ بن صلت کا کوئی شعر تمہیں یاد ہے میں نے عرض کیا جی
ہاں فرمایا لاؤ میں نے ایک شعر سنادیا فرمایا اور لاؤ میں نے ایک
اور سنادیا فرمایا اور پڑھو یہاں تک کہ میں نے حضور کو سو (۱۰۰) شعر
پڑھ کر سنائے۔" رواہ مسلم۔ (۱۰)

ان روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ خیال گزر سکتا ہے کہ جب قرآن شعراء کے لئے مذمتی زبان استعمال کر رہا ہے اور مومنین کو تنبیہ کر رہا ہے تو پھر یہ روایات کس پہلو کو اجاگر کر رہی ہیں کہ رسول اللہؐ کی جانب سے بجو کوئی جیسے فعل کے لئے کہا جا رہا ہے؟؟ یا پھر آگے چل کر رسول اللہؐ ہی شعراء میں سے کہ جن کا شمار روایات کے مطابق کافر شعراء کی فہرست میں ہوا ہے ان کے اشعار کی سماعت کے لئے رغبت کا ذکر کیا گیا ہے؟؟ یہ ناقابل فہم بات ہے۔

وجہ شاید یہ ہے کہ شاعری کے فن کو بحیثیت ادبی صنف رد کر دیا جانا ناقابل قبول مانا جا رہا ہے اور جواز دیئے جا رہے ہیں کہ "اگر شعر جھوٹ اور دوسری ناجائز باتوں سے پاک ہو تو ایسی شاعری میں کوئی حرج نہیں۔" (۱۱)

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں:

"چونکہ شعراء کی مذمت ارشاد ہوئی ہے جس کے عموم میں بظاہر سب
نظم کہنے والے آ گئے کو ان کے مضامین میں حکمت اور تحقیق ہو ں
اسلئے آگے ان کا استثناء فرماتے ہیں کہ) ہاں مگر جو لوگ (ان شاعر
وں میں سے) ایمان لائے اور اچھے اچھے کام کئے (یعنی شرع کے
خلاف نہ ان کا قول ہے نہ فعل ، یعنی ان کے اشعار میں بیہودہ مضا
مین نہیں ہیں) اور انھوں نے (اپنے اشعار میں) کثرت سے اللہ کا
ذکر کیا۔۔اور (اگر کسی شعر میں بظاہر کوئی نامناسب مضمون بھی ہے
جیسے کسی کی ہجو اور مذمت جو بظاہر اخلاق حسنہ کے خلاف ہے تو اس
کی وجہ بھی یہ ہے کہ) انھوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا ہے

اس کا بدلہ لیا (ہے)۔" (۱۲)

یہاں بھی 'شعر' کی حیثیتوں کی وضاحت کی کمی محسوس ہو رہی ہے۔

مزید یوں ہے:

"یہ لوگ مستثنیٰ ہیں کیونکہ انتقامی طور پر جو شعر کہے گئے ہیں ان میں
بعض مباح ہیں اور بعض اطاعت و کارِ ثواب ہیں۔"

شعر و شاعری کی مذمت سے متعلق روایات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "جن روایات میں شعر و شاعری کی مذمت مذکور ہے ان سے مقصود یہ ہے کہ شعر میں اتنا مصروف اور منہمک ہو جائے کہ ذکر اللہ عبادت اور قرآن سے غافل ہو جائے۔" (۱۳)

ابو الاعلیٰ مودودی روایت بیان فرماتے ہیں:

"حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ حضورؐ کبھی اشعار بھی اپنی تقریروں
میں استعمال فرماتے تھے؟ انہوں نے فرمایا شعر سے بڑھ کر آپ کو
کسی چیز سے نفرت نہ تھی۔"

آگے ہے:

"نبیؐ کی رائے اس شاعری کے متعلق یہ تھی کہ تم میں سے کسی شخص کا
خول پیپ سے بھر جانا اس سے زیادہ بہتر ہے کہ وہ شعر سے بھرے۔"

مزید ہے:

"تاہم جس شعر میں کوئی اچھی بات ہوتی تھی آپ اس کی داد بھی د
یتے تھے آپ کا ارشاد ہے کہ بعض اشعار حکیمانہ ہوتے ہیں۔" امیہ
بن صلت کا کلام سن کر آپ نے فرمایا "اس کا شعر مومن ہے مگر اس کا
دل کافر ہے۔" ایک مرتبہ ایک صحابی نے ۱۰۰ کے قریب شعر آپ کو سنا
ئے اور آپ فرماتے گئے "اور سناؤ۔" (۱۴)

جب کہ قرآن میں ایک مقام پر نبیؐ کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ آپ کے مزاج کو تو شاعری کے ساتھ سرے سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔

و ما علمناہ الشعر و ما ینبغی لہ

ترجمہ "ہم نے اس کو شعر نہیں سکھایا ہے نہ یہ اس کے کرنے کا کام ہے۔"
سورۃ یٰس آیت ۶۹۔ (۱۵)

یہاں شاعری کو مکمل طور پر مسترد اور مذمت کرنا مقصود نہیں بلکہ آنحضرتؐ کے شاعر ہونے کے رد کا مقصد ہے۔ اور اس تمام تر دید کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کو کلام اللہ ثابت کیا جائے اور اس کے کسی انسان کے خیالات ہونے کا رد کیا جائے۔

علامہ ابن کثیر کے مطابق یہاں بھی مذکورہ بالا روایات کے عین مماثل روایت ہوئی ہے۔ فرماتے ہیں:

"کافر شاعروں کی تابعداری گمراہ لوگ کرتے ہیں عرب کے شاعروں کا دستور تھا کسی کی مذمت اور ہجو میں کچھ کہہ ڈالتے تھے لوگوں کی ایک جماعت ان کے ساتھ ہو جاتی تھی اور اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگتی تھی۔ رسول اللہؐ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ عرج میں جا رہے تھے جو ایک شاعر شعر خوانی کرتا ہوا ملا۔ آپ نے فرمایا اس شیطان کو پکڑ لو یا روک لو تم میں سے کوئی شخص خون اور پیپ سے اپنا پیٹ بھر لے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ شعروں سے اپنا بھر لے۔" (۱۶)

مذکورہ بالا تمام باتوں میں آپس میں عجیب بے ربطی نظر آ رہی ہے۔ کہیں شاعری و شاعری کی تکذیب کی جا رہی ہے اور کہیں کہیں سراہا جا رہا ہے۔

جس سے محسوس ہوتا ہے کہ شاعری کو ادبی صنف کے طور پر مکمل طور پر رد نہیں سمجھا جا رہا، جس کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ عرب قوم کے نزدیک ان کا سب سے اہم قومی شاہکار ان کی زبان 'عربی' ہے۔ جس کا سب سے بڑا ذریعہ اظہار شاعری ہی رہا۔ قدیم عرب کے نزدیک شاعری ہی ان کی تہذیب، تاریخ اور روایات کو زندہ رکھنے کا اہم ذریعہ تھی لہٰذا اس کا مکمل رد کیا جانا قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا۔

امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں:

"مندرجہ بالا آیات میں آنحضرتؐ پر کہانت کے الزام کی تردید ہوئی اور آگے کی آیات میں شعر و شاعری کے الزام کی تردید آ رہی ہے۔ قریش آنحضرتؐ کو شاعر یا قرآن کو جو شعر کہتے تھے تو وہ شعر و شاعری کے معروف معنی میں نہیں کہتے تھے۔" (۱۷)

مزید فرماتے ہیں:

"اس کے اندر ایک پہلو یہ بھی تھا کہ اہل عرب یہ تصور رکھتے تھے کہ ہر بڑے شاعر کے ساتھ ایک جن ہوتا ہے جو اس کو شعر الہام کرتا ہے۔ یہ تصور دے کر وہ لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ محمدؐ کا یہ دعویٰ کہ ان کے اوپر خدا کی طرف سے ایک فرشتہ یہ کلام لے کر اترتا ہے محض واہمہ ہے۔ یہ فرشتہ نہیں بلکہ اس طرح کا کوئی جن ہے جس طرح کا جن ہر بڑے شاعر کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔" (۱۸)

اس طرح قرآن ان مفاہیم میں قرآن کے شعر ہونے اور رسول اللہؐ کے شاعر ہونے کا رد کر رہا ہے۔ تاکہ اللہ کی جانب سے فرستادہ نبی اور قدیم عرب کے مذہبی قیافہ شناس شعراء میں حد فاصل قائم کر دے۔ گویا قرآن میں 'شاعر' کا لفظ جن مفاہیم میں استعمال ہوا ہے اس سے مراد دراصل قدیم عرب کی مذہبی تہذیب سے منسلک اہم علم 'کہانت' کی ایک صنف ہے جس کے علمبردار عرف عام میں 'شاعر' کہلاتے تھے نہ کہ فنون لطیفہ کی معروف صنف 'شاعری'۔

التفسير — لفظ "شاعر" کا مفہوم

حوالہ جات

۱۔ اشرف علی تھانوی، قرآن حکیم تفسیر، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، کراچی، تاریخ ندارد، ص ۴۰۷

۲۔ pg25-27,lect 1,Kyayats Beyrouth,The Religious Attitude and life in Islam,D.B.Macdonald

۳۔ ایضاً، ص ۲۷

۴۔ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی، تفسیر مدارک النسفی جلد دوم (اردو ترجمہ مولانا شمس الدین)، مکتبہ العلم اردو بازار لاہور پاکستان، تاریخ ندارد، ص ۸۹۲-۸۹۱

۵۔ ایضاً

۶۔ اشرف علی تھانوی، ص ۴۰۷

۷۔ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی، علامہ، تفسیر مظہری جلد ہشتم (ترجمہ سید عبدالدائم الجلالی، مولانا)، سعید ایچ ایم کمپنی کراچی، تاریخ ندارد، ص ۵۶۴

۸۔ ایضاً، ص ۵۶۳

۹۔ ایضاً، ص ۵۶۵

۱۰۔ ایضاً، ص ۵۶۷

۱۱۔ ایضاً، ص ۵۶۶

۱۲۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن جلد ششم، ادارۃ المعارف کراچی، تاریخ ندارد، ص ۵۵۰

۱۳۔ ایضاً، ص ۵۵۵

۱۴۔ مودودی، تفہیم القرآن جلد سوم، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، تاریخ ندارد، ص ۵۴۸

۱۵۔ ایضاً، ص ۵۴۷

۱۶۔ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر اردو، نور محمد کارخانہ کراچی، تاریخ ندارد، ص ۵۵

۱۷۔ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن جلد پنجم، فاران فاؤنڈیشن لاہور پاکستان، تاریخ ندارد، ص ۵۶۶

۱۸۔ ایضاً، ص ۵۶۶

التفسیر: مجلس تفسیر، کراچی جلد ۵، مسلسل شمارہ ۱۶، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۱ء، ص ۵۳-۶۹

مدرسۂ نظامیہ نیشاپور

ڈاکٹر محمد سہیل شفیق

Madaris had played significant role in Muslim educational and cultural history. Madarsa Nisha Pur is one of the great Muslim educational institution founded by Seljuk's Prime Minister Khwaja Nizam al-Mulk al-Tusi who is also well-known for a net-work of Nizamiyah schools in several cities of the state. Nizamiyah Nisha Pur gave enormous scholars like Abu Al Ma'ali Al Juwaini, Imam Ghazali, Alkia Al Hirasi, Abu Muzaffar Al Khawafi, Abu Abdullah Al Farawi and Abu Sa'ad Muhammad bin Yahya to Islamic world whose intellectual works are still benefting Islamic world.

Present article shed the light on the history of Madarsa Nizamiyah Nisha Pur and stated the life of some of the teachers and students of Nizamiyah Nisha Pur.

سلجوقی وزیر اعظم نظام الملک طوسی(۱) نے پانچویں صدی ہجری کے نصف میں مدارس نظامیہ کی بنیاد رکھی۔ان مدارس نے عالمگیر شہرت حاصل کی۔نظام الملک طوسی وہ پہلا شخص تھا جس نے حکمران وقت کی رضامندی سے اپنے زیر اقتدار تمام اسلامی شہروں میں مدارس تعمیر کیے اور ان کے اخراجات کے لیے اوقاف مختص کیے۔ یہ وہ پہلے باقاعدہ مدارس تھے جن کا اپنا تعلیمی بجٹ تھا۔نظام الملک طوسی کے قائم کردہ مدارس نظامیہ میں اساتذہ، اخراجات اور کتب خانے کا انتظام، قیام کے وقت ہی کردیا جاتا تھا۔کوئی بڑا شہر ایسا نہ تھا جس میں مدرسہ نہ ہو۔ جو مدرسے خواجہ نظام الملک نے قائم کیے وہ سب نظامیہ کہلائے اور اپنے شہروں کی نسبت سے مشہور ہوئے۔(۲)

نظام الملک نے اس طرز کا اولین مدرسہ نیشاپور میں قائم کیا۔ نیشاپور، خراسان کا مشہور شہر ہے۔ کتب جغرافیہ میں "باب المشرق" کے خطاب سے ممتاز ہے۔ یہ شہر ہمیشہ دارالعلم اور معدن فضل و کمال رہا ہے۔ فقہ، حدیث، ادب، تاریخ، لغت کا مرکز تھا۔اس شہر میں شعراء ادباء، محدثین، فقہاء، مورخین، ریاضی دان، فلاسفر اور اطباء وغیرہ ہر طبقہ کے اکابر حضرات اتنی بڑی تعداد میں موجود تھے کہ یہ شہر اسلامی تہذیب و تمدن کی تاریخ میں "دارالعلم" کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ خراسان کے چار بڑے شہروں (نیشاپور، مرو، ہرات اور بلخ) میں اہم ترین شہر کا درجہ رکھتا تھا۔(۳)

مشہور سیاح ابن بطوطہ لکھتا ہے:

> "نیشاپور ان چار شہروں میں سے ایک ہے، جو خراسان کے پایہ تخت کہلاتے ہیں۔ یہاں سے چار نہریں نکلتی ہیں ۔ اس کے بازار نہایت اچھے اور وسیع ہیں اور اس کی مسجد بھی نادر ہے، جو وسط بازار میں واقع ہے۔اس کے قریب مدارس میں سے چار مدرسے ہیں ۔طلباء کی کثرت ہے۔ بہت لوگ ہیں جو قرآن کریم اور فقہ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔"(۴)

خصوصی مدارس کی تاسیس میں سبقت لے جانے میں نیشاپور کا شہر قدیم زمانہ سے

مشہور ہے۔ اس علاقہ کے ادب دوست اور دانش پرور لوگ حصول علم سے بہت زیادہ شغف رکھتے تھے۔ علماء کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا کہ وہ عالم اسلام کے دور دراز کے شہروں اور ملکوں کے جلیل القدر علماء کو اپنے شہر میں تدریس کے لیے بلاتے تھے۔ سبکی نیشاپور کے بارے میں لکھتے ہیں:

''نیشاپور اسلامی شہروں میں سے اہم ترین اور بزرگ ترین شہر تھا اور
بغداد کے بعد تمام بڑے اسلامی شہروں میں بے مثال تھا۔'' (۵)

سلاجقہ کے اوائل عہد میں نیشاپور کو پایہ تخت کی حیثیت حاصل تھی۔ طغرل بیگ اور الپ ارسلان سلجوقی نے نیشاپور کو مرکز سلطنت بنایا تھا۔ اس لیے خراسان میں یہ نہایت آباد شہر تھا اور بڑے بڑے مدرسے جاری تھے لیکن سرکاری مدرسہ کوئی نہ تھا۔ (۶)

لہٰذا خواجہ نظام الملک نے امام الحرمین کے حجاز سے واپس آنے پر ان کے اعزاز میں یہ درسگاہ قائم کی۔ امام صاحب کے حلقہ درس میں روزانہ کم و بیش تین سو کا مجمع رہا کرتا تھا۔ جس میں طلبا اور علماء دونوں ہوا کرتے تھے۔ ہر جمعہ کی نماز کے بعد وعظ ہوا کرتا تھا۔ نظام الملک نے جب امام الحرمین جوینی کے لیے مدرسہ نظامیہ نیشاپور تعمیر کیا تو خطابت، تدریس، مدرسہ کے اوقاف کے معاملات کی نگرانی اور ان سے وابستہ کام، ان کو تفویض کر دیے۔ (۷) بسا اوقات یہ مدرسہ امام الحرمین کے نام سے مشہور ہوا۔ کیونکہ رواج اور معمول یہ تھا کہ مدارس اپنے بانیوں کے نام سے، اپنے کسی ایک مدرس کے نام سے یا جس شخص کی خاطر اسے بنایا گیا تھا اس کے نام سے یا پھر جس جگہ بنایا گیا ہو اس کے نام سے مشہور ہوتے تھے۔ (۸)

مدرسہ نظامیہ نیشاپور اپنی کارکردگی کے اعتبار سے اور مدرسین اور مشہور فقہاء کی تعداد کے لحاظ سے جو یہاں تعلیم و تعلم میں مشغول تھے، نظامیہ بغداد (۹) کے بعد دوسرے نمبر پر آتا تھا۔ اس کی عمارت بھی نہایت شاندار تھی۔ امام غزالی اور الکیا الہراسی جیسے علماء نے یہیں تعلیم پائی۔

نظامیہ نیشاپور باوجود یکہ نظامیہ بغداد کی تاسیس سے پہلے وجود میں آیا، نیز اس دور تک نیشاپور کی بغداد پر قدامت اور علمی و ادبی برتری کے باوجود نیز امام الحرمین جوینی، امام

غزالی اور امام محمد یحییٰ نیشاپوری جیسے اساتذہ ہونے کے باوجود، دو وجوہ سے شہرت و اعتبار اور فارغ التحصیل ہونے والوں کی تعداد کے لحاظ سے نظامیہ بغداد کے مرتبہ تک نہ پہنچ سکا۔ کیونکہ:

۱۔ ان مدارس کے بانی نظام الملک نے اپنی زیادہ تر توجہات نظامیہ بغداد پر مبذول کر لیں۔ نظامیہ بغداد کی تعمیر میں بے مثال اور خصوصی اقدامات کیے، نیز اوقاف کا تعین، زیادہ تنخواہیں، مدرسین، طلبہ اور دیگر عملے کے لیے بیش بہا تنخواہیں، وظائف اور مراعات مقرر کیں، یوں اس نے اپنی تمام تر کوششیں خلافت عباسی کے مرکز بغداد میں قائم ہونے والے اس تبلیغی مرکز کے بارے میں کیں تاکہ وہ نظامیہ بغداد کو مصر کے فاطمیوں کے مرکز اشاعت و تعلیمات مذہبی جامع الازہر قاہرہ کے مقابلہ میں زیادہ طاقتور اور مشہور تر کر سکے اور اسے ہر لحاظ سے اعلیٰ و برتر بنا دے۔ (۱۰)

۲۔ ترکمانان غز اور تاتاریوں کے مسلسل تباہ کن حملوں نے یکدم نیشاپور کو درہم برہم کر دیا اور شہر کے مکینوں، عمارتوں اور آثار قدیمہ کو بالکلیہ نیست و نابود کر دیا۔ جب کہ بغداد پر ان کا حملہ زیادہ عرصے کے بعد اور نسبتاً نرم شرائط کے ساتھ ہوا کہ نظامیہ بغداد اور مدرسہ مستنصریہ کو زیادہ نقصان نہ پہنچا۔ عطا ملک جوینی کے ایام حکومت میں بغداد خلفاء کے دور سے بھی بڑھ کر آباد ہوا اور نتیجہ یہ ہوا کہ اس شہر کے یہ دو علمی مراکز یعنی نظامیہ اور مستنصریہ طویل مدت تک، اگرچہ کمزوری و انحطاط کی حالت میں، قائم رہے اور اپنی علمی زندگی کو جاری رکھا۔ (۱۱)

قدیم مصادر میں اس مدرسہ کی بنیاد رکھنے کے سال کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں ملتا مگر تاریخی شواہد میں یہ وضاحت ضرور موجود ہے کہ نظامیہ نیشاپور کی بنیاد نظامیہ بغداد سے چند سال پہلے رکھی گئی تھی اور یہ الپ ارسلان سلجوقی کی سلطنت کے اولین سالوں (۴۵۵ھ۔۴۶۵ھ) کے ہم زمان تھی۔ ناجی معروف کے مطابق نظامیہ نیشاپور ۴۵۰ھ (۱۰۸۷ء) کے قریب قائم ہوا۔ (۱۲) جبکہ نور اللہ کسائی کی تحقیق کے مطابق نظامیہ نیشاپور ۴۵۶ھ میں قائم کیا گیا۔ (۱۳) اور یہی قرین قیاس اور قابل اعتماد ہے۔

نظامیہ نیشاپور فن تعمیر کے اعتبار سے بھی اپنی مثال آپ تھا۔ افسوس کہ امتداد زمانہ سے اس کا نام و نشان مٹ گیا ہے، صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ ایک پرشکوہ عمارت تھی، اس کے

ساتھ چمن ، پارک ، اور تالاب و نہریں جاری تھیں۔ طلبہ یہاں مطالعہ اور مذاکرہ کرتے تھے۔ تالاب کی ستر سیڑھیاں تھیں، ابوالحسن الکیا الہراسی درس کے بعد تالاب کے کنارے استاذ کی تقریر زبانی یاد کرتے تھے، اور ہر سیڑھی پر اسے سات بار دہراتے تھے۔(۱۴) امام الحرمین کے شاگرد شیخ ابوالقاسم انصاری مدرسہ کی لائبریری کے نگران تھے۔(۱۵)

خواجہ نظام الملک جب تک زندہ رہا ، نظامیہ نیشاپور کے تمام امور اور مدرسین و منتظمین کی تقرری و برخاستگی براہ راست خود کرتا رہا۔ چنانچہ اس کے حکم سے نظامیہ نیشاپور کے انتظام و انصرام اور تدریس پر کئی حضرات مامور ہوئے۔ خواجہ کی وفات کے بعد یہ حیثیت بادشاہوں اور ان کے وزراء کو حاصل تھی۔ خواجہ کے بیٹے فخر الملک بن نظام الملک (م ۵۰۰ھ) نے سلطان سنجر کی وزارت کے دوران امام غزالی کو نظامیہ نیشاپور میں تدریس کے لیے دعوت دی۔(۱۶) خود سلطان سنجر نے اس مدرسہ کی تولیت ، اوقاف اور منصب تدریس کا فرمان امام محمد یحیٰی نیشاپوری کے لیے صادر کیا۔ آپ ۵۴۸ھ تک اس عہدے پر فائز رہے۔ پھر فتنہ غز میں گرفتار اور مقتول ہوئے۔ یوں آپ آخری شخص ہیں جس کے پاس یہ عہدہ تھا۔(۱۷)

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ نظامیہ نیشاپور ان سترہ شافعی مدارس میں ہو جو ترکمانان غز کے حملے کے نتیجے میں مکمل طور پر تباہ اور منہدم ہو گئے۔(۱۸) اس لیے کہ ترکمانان غز کے ۵۴۸ھ میں نیشاپور پر یلغار کے آغاز سے لے کر، ۶۱۸ھ میں اس شہر کے مغلوں کے ہاتھوں سقوط تک اور پھر اس کے بعد سے اس مدرسہ اور اس کے طلبہ کے بارے میں کسی قسم کی اطلاع دستیاب نہیں ہے۔(۱۹)

مدرسہ کے مشہور شیوخ حسب ذیل ہیں:

ابوالمعالی عبدالملک الجوینی:

ابوالمعالی عبدالملک ابن الشیخ ابی محمد عبداللہ بن ابی یعقوب یوسف بن عبداللہ بن یوسف بن محمد بن حیویہ، الجوینی، الفقیہ الشافعی الملقب ضیاء الدین، المعروف بامام الحرمین، ۱۸ محرم ۴۱۹ھ / ۱۷ فروری ۱۰۲۸ء کو بشتنکان میں، جو نیشاپور کے نواح میں ایک گاؤں ہے، پیدا ہوئے۔

آپ متاخرین میں امام شافعی کے اصحاب میں سے علی الاطلاق سب سے بڑے عالم تھے۔ آپ کی امامت پر اجماع ہے۔ اصول و فروع کے علوم اور ادب وغیرہ میں آپ کی علمیت اور خوش بیانی پر اتفاق پایا جاتا ہے۔

بچپن میں آپ نے اپنے والد ابو محمد(۲۰) سے فقہ پڑھی ، وہ آپ کی طبیعت کی عمدگی اور آپ پر جو اقبال کی علامات تھیں ان سے حیران ہوتے تھے۔ آپ نے اپنے والد کی تمام تصانیف پر عبور حاصل کرلیا اور ان میں تصرف کیا، حتی کہ تحقیق و تدقیق میں ان سے بڑھ گئے۔ جب آپ کے والد فوت ہوگئے تو آپ ان کی جگہ تدریس کے لیے بیٹھے، اور جب اس سے فارغ ہوتے تو بیہقی کے مدرسہ میں استاد ابوالقاسم اسکافی اسفرائنی کے پاس چلے جاتے، حتی کہ آپ علم اصول کے ماہر بن گئے، پھر بغداد چلے گئے، وہاں علماء کی ایک جماعت سے ملاقات کی۔

ابوالمعالی نے خراسان میں اشعریوں کے خلاف شورش اور عمید الملک کندری کی تحریک پر رؤساء شافعیہ کی جلاوطنی کی بناء پر مجبوراً ترک وطن کیا اور ۴۵۰ھ / ۱۰۵۸ء میں حجاز چلے گئے اور چار سال تک مدینہ میں رہے، پڑھاتے اور فتوی دیتے رہے، اسی بناء پر آپ کو امام الحرمین کہا گیا۔ پھر آپ سلطان الپ ارسلان سلجوقی کی حکومت کے اوائل میں نیشاپور واپس آگئے۔ نظام الملک طوسی نے آپ کے لیے نیشاپور میں مدرسہ نظامیہ بنایا، آپ اس کے خطیب بنے ، اکابر آئمہ آپ کے دروس میں شریک ہوئے۔ محراب و منبر، خطبات و تدریس اور جمعہ کے دن کی مجلس تذکیر آپ کے لیے مسلم تھی۔(۲۱)

آپ نے ہر فن میں کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں سے ''نہایۃ المطلب فی درایۃ المذہب'' بھی ہے، جس کے بارے میں ابن خلکان کا کہنا ہے کہ اس کی مثل اسلام میں تصنیف نہیں ہوئی۔(۲۲)

آپ کی تصانیف میں ''الشامل '' بھی ہے جو اصول دین کے بارے میں ہے۔ اصول فقہ میں آپ کی تصنیف "البرہان" ہے ، "تلخیص التقریب"، "الارشاد"، "العقیدۃ النظامیہ"، "مدارک العقول"، "تلخیص نہایۃ المطلب" ، "غیاث الامم فی الامامۃ"، "مغیث

المحلی فی اختیار الاحق"، اور "غنیۃ المسترشدین" وغیرہ بھی آپ کی کتب ہیں۔ (۴۳)

۲۵ ربیع الثانی ۴۷۸ھ / ۲۰ اگست ۱۰۸۵ء کو بدھ کی رات عشاء کے وقت آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے بیٹے ابوالقاسم نے آپ کا جنازہ پڑھایا۔ علم و ادب کے قریباً چار سو مشاہیر (جن میں حجۃ الاسلام امام غزالی بھی شامل ہیں) آپ کے شاگردوں کے زمرہ میں داخل تھے۔ آپ کے سوگ اور تعزیت میں عجیب شورش برپا ہوئی۔ آپ کے منبر کو توڑ ڈالا گیا، بازار بند کردیے گئے اور پورے ایک ماہ تک کسی نے اپنے سر پر عمامہ نہیں رکھا۔ آپ کے عزیز شاگردوں نے اپنے قلم اور دواتیں توڑ دیں اور پورا ایک سال اسی حال میں رہے۔ (۴۴)

ابو حامد محمد بن محمد غزالی:

ابو حامد محمد بن محمد بن محمد بن احمد الغزالی، الملقب حجۃ الاسلام، زین الدین الطوسی، الفقیہ الشافعی، آپ کے آخری زمانے میں شافعیوں میں، آپ کی مثل موجود نہ تھی۔ (۴۵)

ابتدائی تعلیم طوس اور نیشاپور میں حاصل کی۔ طوس میں علی احمد الرازکانی سے اشتغال کیا، پھر نیشاپور آئے اور امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی کے درس میں شریک ہوئے اور اشتغال میں خوب کوشش کی، حتیٰ کہ تھوڑی مدت میں تربیت پاگئے اور اپنے استاد کے زمانے میں ہی ان اعیان میں سے ہوگئے جن کی طرف اشارہ کیا جاتا تھا۔ آپ کے استاد ابوالمعالی الجوینی آپ پر فخر کیا کرتے تھے۔ ۴۷۸ھ تک امام الحرمین الجوینی کے انتقال تک ان کے ساتھ مقیم رہے۔ ان کے انتقال کے بعد امام غزالی نیشاپور سے العسکر چلے گئے اور وزیر نظام الملک طوسی سے ملے۔ (۴۶)

۴۹۹ھ میں سلطان سنجر اور اس کے وزیر فخر الملک بن نظام الملک نے آپ کی خدمت میں درخواست کی کہ مدرسہ نیشاپور میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری کریں، آپ راضی نہ تھے مگر بعض دوستوں کے اصرار، استخارہ اور رویائے صادقہ کی بناء پر آپ نے ذوالقعدہ ۴۹۹ھ میں یہ پیشکش تسلیم کرلی۔ (۴۷)

۵۰۰ھ میں فخر الملک بن نظام الملک ایک باطنی کے ہاتھ سے شہید ہوا، اس کی وفات کے تھوڑے ہی دن بعد آپ نے نظامیہ کی تدریس سے کنارہ کشی کی، اور اپنے وطن طوس

واپس آگئے۔ آپ کی وفات ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ/۱۹ دسمبر ۱۱۱۱ء کو ہوئی۔ (۲۸)

ابوالحسن علی بن محمد بن علی الطبری الکیاالہراسی:

ابوالحسن علی بن محمد بن علی الطبری، الملقب عماد الدین، المعروف بالکیاالہراسی، الفقیہ الشافعی، آپ طبرستان کے باشندے تھے۔ آپ نیشاپور گئے اور مدت تک امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی سے فقہ سیکھتے رہے حتیٰ کہ ماہر ہوگئے۔ آپ درس میں امام الحرمین کی دہرائی کرنے والوں کے سرکردہ لوگوں میں سے تھے اور ابوحامد غزالی کے ثانی تھے۔ (۲۹) پھر نیشاپور سے بیہق چلے گئے اور وہاں ایک مدت تک پڑھایا، پھر عراق چلے گئے اور نظامیہ بغداد کی تدریس سنبھال لی، اور تاحیات وہیں رہے۔

الکیاالہراسی کی ولادت ذوالقعدہ ۴۵۰ھ میں ہوئی اور وفات یکم محرم ۵۰۴ھ کو بروز جمعرات بوقت عصر بغداد میں ہوئی اور تدفین شیخ ابو اسحاق شیرازی کے قبرستان میں ہوئی۔ (۳۰)

ابوالمعالی مسعود بن محمد بن مسعود:

ابوالمعالی مسعود بن محمد بن مسعود بن طاہر نیشاپوری طریثیثی، الفقیہ الشافعی، ملقب بہ قطب الدین، آپ نے نیشاپور اور مرو کے آئمہ سے فقہ پڑھی اور کئی لوگوں سے حدیث کا سماع کیا۔ آپ نے قرآن کریم اور ادب اپنے والد سے پڑھا۔ امام الحرمین الجوینی کی نیابت میں مدرسہ نظامیہ نیشاپور میں پڑھایا۔

۵۴۰ھ میں آپ بغداد آئے اور وعظ کیا، آپ کو قبولیت حاصل ہوئی۔ آپ نے مدرسہ مجاہدیہ میں پڑھایا، پھر فقیہ ابوالفتح نصر اللہ المصیصی کی وفات کے بعد جامع دمشق میں پڑھایا۔ جہاں مغربی گوشہ میں آپ کا حلقہ درس تھا۔ پھر آپ حلب چلے گئے اور ایک مدت تک ان دو مدرسوں کی تدریس کے مہتمم رہے جنہیں نورالدین محمود اور اسدالدین شیرکوہ نے بنایا تھا۔ پھر آپ ہمدان چلے گئے اور وہاں تدریس کا کام سنبھالا، پھر دمشق واپس آگئے اور بدستور اپنا حلقہ درس سنبھال لیا جہاں آپ حدیث کا درس دیتے تھے۔ (۳۱)

آپ صالح عالم تھے۔ آپ نے فقہ میں کتاب "الہادی" تصنیف کی۔ یہ مختصر اور

تاریخ کتاب ہے۔ آپ کی ولادت ۱۳ رجب الفرد ۵۰۵ھ کو ہوئی اور وفات ماہ رمضان ۵۷۸ھ کے آخری دن دمشق میں ہوئی۔ عید کے روز جمعہ کے دن آپ کا جنازہ پڑھا گیا۔ آپ کو اس قبرستان میں دفن کیا گیا جسے آپ نے قبرستان صوفیاء کے پاس غربی دمشق میں بنایا تھا۔ (۳۲)

ابو سعد محمد بن یحییٰ:

ابو سعد محمد بن یحییٰ بن ابی منصور نیشاپوری، الملقب محی الدین، الفقیہ الشافعی، متاخرین کے استاد اور علم و زہد کے لحاظ سے ان میں یکتا تھے۔ آپ نے حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی اور ابوالمظفر احمد بن محمد الخوافی سے فقہ سیکھی، کمال حاصل کیا اور اس کے متعلق اور خلاف کے بارے میں کتابیں لکھیں۔ نیشاپور میں فقہاء کی ریاست آپ تک پہنچی، لوگوں نے شہروں سے آپ کی طرف سفر کیا، اور خلق کثیر نے آپ سے استفادہ کیا۔ آپ نے "المحیط فی شرح الوسیط" اور "الانتصاف فی مسائل الخلاف" وغیرہ کتب تصنیف کیں۔

آپ نے مدرسہ نظامیہ نیشاپور اور ہرات میں بھی پڑھایا۔ آپ کے زمانے کا ایک فاضل آپ کے درس میں حاضر ہوا، اور آپ کے فوائد اور عمدہ لیکچر کو سنا تو اس نے کہا:

رفات الدين و الاسلام يحيا
بمحيي الدين مولانا ابن يحيىٰ
كان الله رب العرش يلقى
عليه حين يلقى الدرس وحيا

"دین اور اسلام کی بوسیدہ ہاتوں کو محی الدین ابن یحییٰ نے زندہ کیا ہے، اور جب وہ سبق دیتا ہے تو گویا رب العرش اس پر وحی کرتا ہے"۔ (۳۳)

آپ کی ولادت ۴۷۶ھ میں طریثیث میں ہوئی، اور رمضان ۵۴۸ھ میں آپ کا قتل ہوا۔ (۳۴)

ابراہیم بن المطہر:

ابراہیم بن المطہر، ابوطاہر الشباک الجرجانی، آپ نیشاپور میں امام الحرمین کے درس میں حاضر ہوئے، پھر آپ نے امام غزالی کی صحبت اختیار کی اور ان کے ساتھ عراق، حجاز اور شام

کا سفر کیا۔ پھر آپ اپنے وطن لوٹ گئے اور تدریس و وعظ میں مشغول ہو گئے۔ آپ کے لیے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی۔ ۵۱۳ھ میں آپ کو شہید کر دیا گیا۔ (۳۵)

ابوالحسن عبدالغافر بن اسماعیل بن عبدالغافر:

ابوالحسن عبدالغافر بن اسماعیل بن عبدالغافر بن محمد بن عبدالغافر ابن احمد بن محمد بن سعید الفارسی الحافظ، آپ حدیث اور عربی زبان کے امام تھے۔ آپ نے امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی سے فقہ سیکھی اور چار سال ان کے ساتھ وابستہ رہے۔ پھر نیشاپور سے خوارزم چلے گئے اور وہاں کے افاضل سے ملاقات کی، وہاں آپ کے لیے مجلس بھی منعقد کی گئی۔ پھر آپ غزنی اور وہاں سے ہندوستان گئے، اور احادیث کی روایت کی۔ پھر آپ نیشاپور واپس آئے اور وہاں کے خطیب بن گئے۔ (۳۶)

آپ کی متعدد تصانیف ہیں: جن میں سے "المفهم لشرح غريب صحيح مسلم"، اور "السياق لتاريخ نيشاپور" اور غریب احادیث کے بارے میں "مجمع الغرائب" ہیں۔ آپ کی ولادت ربیع الثانی ۴۵۱ھ میں اور وفات ۵۲۹ھ میں نیشاپور میں ہوئی۔ (۳۷)

ابوالفتح سہل بن احمد بن علی الارغیانی:

ابوالفتح سہل بن احمد بن علی الارغیانی، الفقیہ الشافعی، آپ علم و زہد میں بڑی شان کے امام تھے۔ آپ نے مرو میں شیخ ابوعلی السنجی سے فقہ سیکھی، پھر قاضی حسین بن محمد المروزی سے پڑھا اور ان کے طریقے کو حاصل کیا۔ آپ نے امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی سے اصول فقہ پڑھے، اور آپ کی مجلس میں مناظرہ کیا۔ پھر آپ ارغیان کی طرف واپس آ گئے اور اس کے قاضی بنے۔ (۳۸)

آپ "فتاوی ارغیانی" کے مولف ہیں، آپ نے آخر کی ایک جماعت جیسے ابوبکر بیہقی، ناصر المروزی، عبدالناصر بن اسماعیل بن عبدالغافر الفارسی وغیرہم سے سماع کیا ہے۔ آپ نے حج کے موقع پر حجاز و عراق اور جبال کے مشائخ سے ملاقات کی اور ان سے سماع کیا اور انہوں نے آپ سے سماع کیا۔ جب آپ مکہ معظمہ سے واپس آئے تو شیخ عارف حسن سمنانی کی ملاقات کو آئے جو اپنے وقت کے شیخ تھے، انھوں نے آپ کو ترک مناظرہ کا مشورہ دیا تو آپ

نے مناظرہ چھوڑ دیا۔ قضا سے بھی علیحدہ ہو گئے اور گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ آپ نے اپنے مال سے صوفیاء کے لیے ایک چھوٹا سا حلقہ بنایا اور وہاں تصنیف و عبادت میں مشغول ہو گئے، یہاں تک کہ محرم ۴۹۹ھ میں فوت ہو گئے۔(۳۹)

ابو عبداللہ محمد بن الفضل الفراوی:

ابو عبداللہ محمد بن الفضل بن احمد بن محمد بن احمد بن ابی العباس، الصاعدی، الفراوی(۴۰)، نیشاپوری، الملقب کمال الدین، الفقیہ المحدث، آپ امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی کی مجلس میں آیا کرتے تھے، آپ نے ان سے اصول کا حاشیہ لکھا، اور صوفیاء کے درمیان پرورش پائی۔ آپ فقیہ، محدث، مناظر اور واعظ تھے۔(۴۱)

آپ اپنے پاس آنے والے مسافروں کے پاس کھانا لے کر جاتے تھے، اور کبر سنی کے باوجود خود ان کی خدمت کرتے تھے۔ بغداد اور بقیہ بلاد میں جن کی طرف آپ گئے، آپ کے لیے مجلس وعظ منعقد کی گئی۔ آپ نے حرمین میں علم کا اظہار کیا، نیشاپور واپس آئے۔ مدرسہ ناصحیہ میں تدریس کے لیے بیٹھے اور مسجد المطرز کی امامت سنبھالی۔

آپ نے عبدالغافر فارسی سے صحیح مسلم، اور سعید بن ابی سعید سے صحیح بخاری کا سماع کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے شیخ ابو اسحاق شیرازی، حافظ ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی، امام الحرمین ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری سے بھی سماع کیا۔ حافظ بیہقی کی متعدد کتب، مثلاً ''دلائل النبوۃ''، ''الاسماء والصفات''، ''البعث والنشور''، اور ''الدعوات'' کبیرہ اور صغیرہ کی روایات میں متفرد ہوئے۔ آپ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ الفراوی، الف راوی ہے یعنی ایک ہزار راوی ہے۔

آپ کی ولادت ۴۴۱ھ اور بعض کے قول کے مطابق ۴۴۲ھ میں نیشاپور میں ہوئی۔ اور ۲۱ شوال، اور بعض کے قول کے مطابق ۲۲ شوال ۵۳۰ھ کو جمعرات کے روز چاشت کے وقت فوت ہوئے۔(۴۲)

ابو منصور عبدالرحمٰن بن محمد بن الحسن ھبۃ اللہ:

ابو منصور عبدالرحمٰن بن محمد بن الحسن ھبۃ اللہ بن عبداللہ بن الحسین الدمشقی، الملقب

فخر الدین المعروف بابن عساکر، الفقیہ الشافعی، آپ اپنے وقت میں علم و دین کے امام تھے۔(۴۳) آپ نے شیخ قطب الدین ابو المعالی مسعود نیشاپوری سے فقہ حاصل کی اور ایک عرصہ تک آپ کے ساتھ رہے اور آپ کی صحبت کا فائدہ اٹھایا۔ آپ نے ایک عرصہ تک قدس اور دمشق میں پڑھایا، خلق کثیر نے آپ سے اشتغال کیا اور تربیت پائی۔ آپ کی ولادت ۵۵۰ھ میں ہوئی اور وفات ۱۰ رجب ۶۲۰ھ کو بدھ کے روز دمشق میں ہوئی۔(۴۴)

ابونصر محمد بن عبداللہ بن احمد الارغیانی:

ابونصر محمد بن عبداللہ بن احمد بن محمد بن عبداللہ الارغیانی، الفقیہ الشافعی، آپ اپنے شہر سے نیشاپور آئے، امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی سے اشتغال کیا اور فقہ میں کمال حاصل کیا۔ آپ صاحب فن امام، پرہیزگار، اور بہت عبادت گذار تھے۔ آپ نے ابوالحسن علی ابن احمد الواحد صاحب التفاسیر سے حدیث کا سماع کیا(۴۵)، اور آپ سے قول الٰہی ''انی لاجد ریح یوسف'' کی تفسیر بیان کی ہے کہ بادِ صبا نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو کو ہمارے نبی کے پاس قمیص کی بشارت لانے سے قبل لائے تو اللہ تعالیٰ نے اسے اجازت دے دی تو وہ اسے لے آئی۔ اسی لیے ہر غمگین، بادِ صبا سے راحت پاتا ہے، اور وہ مشرق کی جانب سے آتی ہے، جب وہ ابدان پر چلتی ہے تو ان کو آسائش اور آرام دیتی ہے اور اوطان اور احباب کی طرف شوق کو برانگیختہ کرتی ہے۔''

پھر آپ نے یہ اشعار پڑھے:

ایا جبلی نعمان باللہ خلیا
نسیم الصبا یخلص الی نسیمھا
فان الصبا ریح اذا ما تنسمت
علی نفس مھموم تجلت ھمومھا

''اے نعمان کے دو پہاڑو! خدا کے لیے بادِ نسیم کو چھوڑ دو، کہ اس کی نسیم میرے پاس آئے، بلاشبہ بادِ صبا وہ ہے کہ جب وہ کسی غمگین پر چلتی ہے تو اس کے غم ظاہر ہو جاتے ہیں۔''

آپ کی ولادت ۴۵۲ھ میں ہوئی اور وفات ۲۳ ذوالقعدہ ۵۲۸ھ کو نیشاپور میں ہوئی۔(۴۶)

اسمٰعیل بن عبداللہ ابن علی:

اسمٰعیل بن عبداللہ ابن علی ابوالقاسم الحاکم، آپ نے امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی سے فقہ سیکھی۔ آپ امام غزالی کے بھی شاگرد تھے، وہ آپ کا اکرام و احترام کرتے تھے۔ آپ کیا، عبادت گذار اور متقی تھے۔ ۵۲۶ھ میں طوس میں آپ کا انتقال ہوا۔ امام غزالی کے پہلو میں آپ کو دفن کیا گیا۔(۴۷)

عبدالرحیم بن عبدالکبیر:

عبدالرحیم بن عبدالکبیر ابن ہوازن، آپ نے اپنے والد اور امام الحرمین سے نظامیہ نیشاپور میں تعلیم حاصل کی اور ایک جماعت سے حدیث روایت کی۔ آپ ذہین و فطین، دلیر، حاضر جواب اور فصیح اللسان تھے۔ آپ بغداد آئے اور وہاں وعظ کیا۔ جس کے باعث حنابلہ اور شافعیہ کے درمیان جنگ ہوئی۔ ۵۱۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۴۸)

عبدالرزاق بن عبداللہ:

عبدالرزاق بن عبداللہ ابن علی بن اسحاق طوسی، آپ نظام الملک طوسی کے بھتیجے تھے۔ آپ نے امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی سے فقہ پڑھی۔ آپ مفتی اور مناظر تھے۔ آپ ملک سنجر کے وزیر بھی بنے۔ ۵۱۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۴۹)

عبدالغافر بن اسمٰعیل:

عبدالغافر بن اسمٰعیل ابن عبدالقادر بن محمد بن عبدالغافر بن احمد بن سعید ایرانی، الحافظ، آپ نے امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی سے فقہ پڑھی اور ابوالقاسم قشیری سے سماع کیا۔ آپ فاضل اور دیندار تھے۔ آپ نے مختلف شہروں کی طرف سفر کیا، اور لوگوں نے آپ سے سماع کیا۔ نیشاپور کی خطابت سنبھالی۔ ۵۵۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۵۰)

محمد بن احمد ابن ابی الفضل الماھانی:

محمد بن احمد ابن ابی الفضل الماھانی، آپ آئمہ شافعیہ میں سے تھے۔ آپ نے امام

الحرمین ابوالمعالی الجوینی سے فقہ سیکھی۔ طلب حدیث کے لیے سفر کیا۔ آپ مدرس، مفتی اور مناظر تھے۔ آپ نے ۵۲۵ھ میں ۹۰ سال سے زیادہ عمر پا کر وفات پائی اور بلاد مرو میں ماھان نامی بستی میں دفن ہوئے۔(۵۱)

ابوالمظفر احمد بن محمد المظفر الخوافی:

ابوالمظفر احمد بن محمد المظفر الخوافی، الفقیہ الشافعی، آپ نے امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی سے فقہ سیکھی اور آپ کے شاگردوں میں ممتاز مقام حاصل کیا۔ آپ طوس اور اس کے نواح کے قاضی بنے، آپ علماء میں حسن مناظرہ اور مد مقابل کو خاموش کر دینے میں مشہور تھے۔ اشتغال علم میں امام غزالی کے رفیق تھے۔ امام غزالی کو اپنی تصانیف میں اور الخوافی کو اپنے مناظرات میں سعادت ملی۔ ۵۰۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۵۲)

ابوالفتح حداد:

ابوالفتح حداد احمد بن محمد اصفہانی، آپ نے نظامیہ نیشاپور میں تعلیم حاصل کی اور نظامیہ بغداد میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔(۵۳)

ابوعبداللہ محمد بن الفضل:

ابوعبداللہ محمد بن الفضل بن احمد بن محمد بن احمد بن ابی العباس، الصاعدی، الفراوی، نیشاپوری، الملقب کمال الدین، الفقیہ المحدث۔ آپ امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی کی مجلس میں آیا کرتے تھے، آپ نے ان سے اصول کا حاشیہ لکھا، اور صوفیاء کے درمیان پرورش پائی۔ آپ فقیہ، محدث، مناظر اور واعظ تھے۔(۵۴)

ابوالحسن محمد بن حاتم بن عبدالرحمن الطائی:

ابوالحسن محمد بن حاتم بن عبدالرحمن الطائی، اہل طوس میں سے تھے۔ نیشاپور آئے اور امام الحرمین الجوینی سے کسب علم کیا۔ آپ نے سماع حدیث کے لیے عراق، شام اور حجاز کا سفر کیا، پھر نیشاپور واپس آ گئے۔ جمادی الاولیٰ ۵۱۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۵۵)

مذکورہ علماء و مشائخ کے علاوہ نامور شعراء انوری، ابیوردی اور ظہیر فاریابی بھی مدرسہ نظامیہ نیشاپور کے فیض یافتہ تھے۔(۵۶)

حواشی و حوالہ جات

۱۔ نظام الملک ابوعلی حسن بن علی طوسی ۴۰۹ھ میں پیدا ہوا۔ سلجوقی سلطان الپ ارسلان اور اس کے جانشین ملک شاہ کے زمانے میں تیس سال تک منصب وزارت پر فائز رہا۔ ۴۸۵ھ میں ایک باطنی کے ہاتھ سے شہید ہوا۔

۲۔ عبدالرزاق کانپوری: ''نظام الملک طوسی''، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع دوم، ۱۹۷۰ء، ص ۵۳۱

۳۔ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، دانشگاہ پنجاب، لاہور، طبع اول، ۱۹۷۹ء، ج ۲۲، ص ۵۳۳

۴۔ ابن بطوطہ: ''سفر نامہ ابن بطوطہ''، اردو ترجمہ: رئیس احمد جعفری، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع اول، ۱۹۶۱ء، ص ۳۳۹

۵۔ السبکی، تاج الدین ابی النصر عبدالوہاب ابن تقی الدین: ''طبقات الشافعیۃ الکبریٰ'' طبع اول، مطبعہ حسینیہ مصر، س ن، ج ۱، ص ۱۴۳

۶۔ عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۵۳۲

۷۔ ابن خلکان، ابی العباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر: ''وفیات الاعیان و انباء ابناء الزمان''، تحقیق: احسان عباس، ڈاکٹر، منشورات الرضی قم، ۱۳۶۴ء، ج ۱، ص ۳۶۱

۸۔ ناجی معروف، علماء النظامیات و مدارس المشرق الاسلامی، مطبعۃ الارشاد، بغداد، ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء، ص ۲۱

۹۔ ۴۵۷ھ/۱۰۶۴ء میں نظام الملک طوسی نے نظامیہ بغداد کی تعمیر کا آغاز کیا۔ دو سال بعد جب اس کی عمارت مکمل ہوئی تو بہت دھوم دھام کے ساتھ اس کا افتتاح ہوا۔ یہ بغداد کی مرکزی درسگاہ تھی جسے اسلامی درسگاہوں میں شہرت دوام حاصل ہوئی۔ ۶۹۷ھ/۱۲۹۵ء میں نظامیہ بغداد کو جامعہ مستنصریہ میں ضم کر دیا گیا۔ (پی۔ کے۔ ہٹی، ہسٹری آف دی عربس، نیویارک، ۱۹۵۸ء، ص ۴۱۱)

۱۰۔ نور اللہ کسائی، ڈاکٹر: ''مدارس نظامیہ و تاثیرات علمی و اجتماعی آن''، چاپخانہ تحریر، تہران، چاپ دوم، ۱۳۶۳ء، ص ۹۰

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ ناجی معروف، علماء النظامیات، ص ۲۱

۱۳۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے: نور اللہ کسائی، نظامیہ بغداد، ص ۸۹تا۸۷

۱۴۔ ابن جوزی، عبدالرحمٰن: المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، مطبعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۵۹ء، ج ۹، ص ۱۹۷

۱۵۔ سبکی، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۴، ص ۲۲۳

۱۶۔ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، ج ۲۲، ص ۴۸۳

۱۷۔ نور اللہ کسائی، مدارس نظامیہ، ص ۹۱

۱۸۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۲ء، ج ۹، ص ۴۷

۱۹۔ نور اللہ کسائی، نظامیہ بغداد، ص ۹۱

۲۰۔ ابومحمد عبداللہ بن یوسف، شافعی عالم، جنھوں نے اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ نیشاپور میں گزارا اور وہیں ۴۳۸ھ/۱۰۴۷ء میں وفات پائی۔ بحیثیت ایک مصنف کے انھیں فروق المسائل سے زیادہ دلچسپی تھی۔ ان کی تصانیف ''الرسائل فی فروق المسائل'' اور ''الجمع و الفرق'' فقہ شافعی کے مسائل پر مشتمل ہیں۔ (اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، ج ۷، ص ۵۴۲)

۲۱۔ ابن خلکان، ج ۳، ص ۱۹۸

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ ایضاً، ص ۱۹۹

۲۴۔ ابن خلکان، ج ۳، ص ۱۶۹، ۱۷۰

۲۵۔ ایضاً، ج ۲، ص ۲۱۶

۲۶۔ السبکی، طبقات شافعیۃ الکبریٰ، ج ۴، ۱۸۷

۲۷۔ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، ج ۱۲، ص ۴۸۳

۲۸۔ ابن خلکان، ج ۲، ص ۲۱۸

۲۹۔ ابن خلکان، ج ۳، ص ۲۸۹

۳۰۔ ایضاً، ص ۲۸۹

۳۱۔ ایضاً، ج ۵، ص ۱۹۱

۳۲۔ ایضاً، ص ۱۹۷

۳۳۔ ایضاً، ج ۴، ص ۲۲۳

۳۴۔ ایضاً، ص ۲۲۲

۳۵۔ السبکی، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ج ۴، ص ۲۰۰

۳۶۔ ابن خلکان، ج ۳، ص ۲۲۵

۳۷۔ ایضاً

۳۸۔ ایضاً

۳۹۔ ایضاً

۴۰۔ الفراوی: یہ نسبت فراوہ کی طرف ہے، یہ خوارزم کے نزدیک ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ جسے فراوہ کا نگر کہا جاتا ہے۔ اسے عبداللہ بن عامر نے مامون کے عہد خلافت میں تعمیر کیا تھا۔ وہ ان دنوں خراسان کا امیر تھا۔ (ابن